مَا عِندَكُمْ يَنفَدُ وَمَا عِندَ اللَّهِ بَاقٍ (القرآن)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:
"إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ
أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ" (الحديث)

عَوْنُ الغَفَّار

فِي حَلِّ

تَنْوِيرِ الأَبْصَار

(كتابُ الوقف)

مُفْتِي مُحَمَّد مُرْشِد قَاسِمِي
خادم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

مکتبہ حجاز دیوبند

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (القرآن)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

"إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ

أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْلَهُ" (الحدیث)

عَوْنُ الْغَفَّار

فِيْ حَلّ

تَنْوِيْرِ الْأَبْصَار

(کتابُ الوقف)

مُفْتی مُحمّد مُرشد قاسمی

خادم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

مکتبہ حجاز دیوبند

نام کتاب : **عون الغفار في حل تنوير الأبصار**

نام مؤلف : مفتی محمد مرشد قاسمی (استاذ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

صفحات : **۱۰۱**

ناشر : مکتبہ حجاز دیوبند

تاریخ طباعت : محرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق اگست ۲۰۲۰ء

موبائل نمبر : +91 8884293495

ای - میل : maaqasmi87@gmail.com

AUN UL GHAFFAR

FI HALLI TANVEER IL ABSAAR

By: Mufti Mohammad Murshid Qasmi

فہرس

انتساب

❖ مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے نام جس کی روحانی فضا نے مقصدِ حیات سمجھا کر اس کی شاہ راہ پر ہاتھ پکڑ کر چلا دیا۔

❖ ان مرحوم والد کی روح کے نام جو اپنی اس آخری اولاد کی کام یابی کے لیے نا قابل بیان تمنا لیے اس دنیا سے سدھار گئے اور اپنی محبت کے ایسے انمٹ نقوش دل پر ثبت کر گئے، جو میرے لیے ان شاء اللہ زندگی کی راہیں روشن کرتا رہے گا۔

❖ والدہ محترمہ (اللہ ان کا سایہ دراز کرے) کے نام جن کی بے پناہ دعاؤں کی برکت سے ہی نوکِ قلم نے حرکت کی اور چند صفحات سیاہ کرنے کی توفیق ہوئی۔

❖ اس عظیم محسن و مربی: حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کے نام جن کی پیہم شفقت وتوجہ نے قلم کو جولانی بخشی، جن کی فکرِ مسلسل نے اس نازک عنوان پر قلم اٹھانے کی ہمت عطا کی، جن کی ہر آن لکھنے پڑھنے کی مصروفیت نے اس ناکارے کے دل میں بھی کچھ لکھنے پڑھنے کا شوق پیدا کر دیا۔

فجزاهم اللّٰه تعالىٰ خير الجزاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعائیہ کلمات

ازاستاذِ مکرم حضرت مولانا **محمد بدرالدین صاحب قاسمی** دامت برکاتہم

نحمد اللّٰہ العظیم و نصلّی علی رسو له الکریم

عزیزم مولوی محمد مرشد کی بیش بہا کوشش یعنی ''اوقاف'' کے عنوان پر بہت سے مسائل پر مشتمل کتاب: ''عون الغفار'' سامنے آئی، اگرچہ یہ مسائل کثیر الاستعمال نہیں ہیں؛ لیکن اسلام اور شریعت کا انتہائی مہتم بالشان اور کافی دقیق ومشکل الحصول موضوع ہے۔ اوقاف کے مسائل سے صحیح واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے امت کا ایک طبقہ حرمت کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے اور مسائلِ وقف کے دقیق وقلیل الوقوع ہونے کی وجہ سے عام علما سے امت کو صحیح رہنمائی نہیں مل پاتی ہے، جس کی وجہ سے عمومی طور پر اوقاف کے مسائل میں حلال وحرام کے درمیان تمیز دینا مشکل ہوتا ہے، یقیناً ایسے ہی قلیل الوقوع؛ لیکن مہتم بالشان مسائل کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ دین کا ایک مسئلہ سیکھنا؛ اگرچہ وہ مسئلہ لایُعمل بہ ہو، ہزار رکعت نفل نماز سے بہتر ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سلمہ کی اس سعی کو سعی ٔ مشکور بنائے اور شرفِ قبولیت سے نوازے اور خود مصنف کے لیے اور ان حقیقی ومجازی والدین کے لیے آخرت میں نجات، دنیا میں عزت اور سرخ روئی کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

محمد بدرالدین

(استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم امدادیہ، ممبئی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تائیدی کلمات

ازفقیہ العصر عارف باللہ

حضرت اقدس مولانا **مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی** دامت برکاتہم

(بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

فقہِ اسلامی کے ابواب میں ''اوقاف'' کا باب اپنی اہمیت وضرورت کے لحاظ سے فقہائے کرام کی توجہات کا مرکز رہا ہے اور تقریباً تمام ہی مکاتبِ فکر کے فقہائے کرام نے اس پر کلام کیا ہے، کسی نے مستقلاً، تو کسی نے فقہی کتب کے ضمن میں اور کسی نے مختصراً، تو کسی نے تفصیلاً! ۔ یہ باب جس قدر اہم ہے، اسی قدر اپنے اندر نزاکت بھی رکھتا ہے، جس کی وجہ سے اس باب کو بڑی گیرائی وگہرائی کے ساتھ مطالعے میں لانا ضروری ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں لکھی جانے والی تحریرات میں الحصکفی رحمہ اللہ کی **''الدر المختار''** کا وہ حصہ بھی بڑا مانا جاتا ہے، جو ''وقف'' سے متعلق ہے اور یہ حصہ اہم ہونے کی وجہ سے داخلِ نصاب بھی ہے۔ضرورت تھی کے طلبہ کی تقریبِ فہم اور تسہیلِ اخذ کے لیے بہ زبانِ اردو اس کی تفہیم وتشریح کی جائے۔

خوشا کہ ہمارے ادارے: ''جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم'' کے استاذ: مولانا مرشد صاحب زید مجدہٗ نے اپنی طالبِ علمی کے دور میں دار العلوم کے اپنے اساتذہ کی زیرِ نگرانی یہ کام انجام دیا اور حضراتِ اساتذۂ دار العلوم، بالخصوص حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمان صاحب دامت برکاتہم اور حضرت

مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم نے اس پر اپنی قیمتی آرا و تقاریظ لکھ کر اپنے اعتماد کا اظہار فرمایا ہے۔

احقر نے بھی اجمالاً اس پر نظر کی اور جامعہ مسیح العلوم کے ایک جید الاستعداد اور قابل و ماہر استاذ: حضرت مولانا سعادت اللہ صاحب نے اس پر تفصیلی نظر ڈالی اور اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

امید ہے کہ یہ تشریحی تحریر جس کا نام ہے: ''عون الغفار'' طلبۂ علوم کے لیے مفید ہوگی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالے: ''عون الغفار'' کو نافع و مفید بھی بنائے اور اپنے یہاں منظور و مقبول بھی۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

۶/ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۹/ دسمبر ۲۰۱۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

استاذِ محترم، فقیہ النفس، شارحِ اسرارِ شریعت، محدثِ جلیل

حضرت اقدس مولانا **مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری** دامت برکاتہم

(شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند)

فاضلِ گرامی جناب مولانا مرشد صاحب (استاذ مسیح العلوم بنگلور) جب دار العلوم دیوبند میں دار الافتا میں طالبِ علم تھے اور حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی مدظلہ سے ''درمختار'' کی ''کتاب الوقف'' پڑھ رہے تھے، تو ایک دن مجھ سے کہنے لگے: ''درِمختار'' بہت بھاری معلوم ہو رہی ہے! میں نے کہا: اس کا متن حفظ کرلو، شرح ہلکی ہو جائے گی، اُنھوں نے فوراً ''**تنویر الأبصار**'' کو ''**الدر المختار**'' سے کاپی میں الگ کیا اور تھوڑا تھوڑا یاد کر کے مجھ کو سنانے لگے، جب مکمل متن حفظ کرلیا، تو اس کی شرح: ''درِمختار'' آسانی سے سمجھ میں آنے لگی، پھر انھوں نے ہمت کی اور شامی کا بھی مطالعہ شروع کر دیا، پھر چھلانگ لگائی اور شرح بھی لکھنی شروع کر دی، اس کو بھی روزانہ دکھاتے رہے، میں بس یوں ہی سرسری ان کی حوصلہ افزائی کے لیے دیکھ لیتا تھا؛ تا آں کہ شرح مکمل ہوگئی، پھر ان کو مصنف بننے کا شوق دامن گیر ہوا، یہ بہت اچھا شوق ہے، آج کل فضلا میں اس کا فقدان ہے، اُنھوں نے شرح کمپوز کرالی اور ''**عون الغفار في حل تنوير الأبصار**'' نام رکھا، پھر دیکھنے کا مجھے موقع نہیں ملا؛ کیوں کہ وہ مدرس ہو کر بنگلور جا چکے تھے اور دوبارہ دیکھنے کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی، اب وہ طبع ہو کر منظرِ عام پر آ رہی ہے، امید ہے اس سے دار الافتا کے طلبا کو فائدہ پہنچے گا اور طلبہ کو یہ فارمولہ یاد

رکھنا چاہیے، ذی استعداد طالبِ علم کوکوئی کتاب یا کوئی مسئلہ مشکل معلوم ہو،تو متن حفظ کرلے، پھر اس کا سمجھنا سہل ہوجائے گا، دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ مصنف کی اس پہلی تصنیف کو قبول فرمائیں اوران کو آگے قدم بڑھانے کی توفیق عطا فرمائیں، بڑھے چلو قدم قدم،منزل دور نہیں ! واللہ الموفق۔

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری
(خادم دارالعلوم دیوبند)
۲۸/ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

استاذِ محترم حضرت اقدس

حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی دامت برکاتہم

(مفتیٔ اعظم دارالعلوم دیوبند)

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سیدالأنبیاء والمرسلین وعلی آلہ و صحبہ أجمعین وعلی من تبعھم بإحسان إلی یوم الدین. أما بعد:

علامہ تمرتاشی رحمہ اللہ م ۱۰۰۴ھ کی مشہور کتاب "تنویر الأبصار" ہے، جو فقہِ حنفی میں نہایت معتبر کتاب ہے، اس کی شرح "درِمختار" ہے، جس پر علامہ شامی رحمہ اللہ نے اور علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے حاشیہ لکھا ہے۔ علامہ محبی رحمہ اللہ نے "خلاصۃ الأثر" میں لکھا ہے کہ "تنویر الأبصار" فقہ کی عظیم المرتبت اور مفید کتاب ہے، مسائل کے ذکر کرنے میں بڑی گہرائی و گیرائی سے کام لیا ہے اور بجا طور پر اس میں کامیاب بھی ہیں؛ اس لیے یہ کتاب پورے عالم میں مشہور ومعروف ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس کتاب کے مسائل صحیح طریقے پر ذکر کیے گئے ہیں اور تمام مسائل دلائل سے ثابت ہیں۔

زیرِنظر کتاب "عون الغفار في حل تنویر الأبصار" اسی کتاب کے کتاب الوقف کو اردو زبان میں منتقل کیا گیا ہے، جس کو عزیز محترم مولانا مفتی محمد مرشد سلمہ نے بڑی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ لکھا ہے اور "درمختار" میں آئے ہوئے مسائل کو بھی ایک حد تک حل کر دیا ہے۔

میں نے اس کتاب کو وقت نکال کر دیکھا ہے، ماشاء اللہ عزیز موصوف اپنی کوشش میں کامیاب

ہیں" **تنویر الأبصار**"، کی صحیح ترجمانی فرمائی ہے، اہلِ علم پر یہ بات مخفی نہیں کہ وقف کے مسائل بہت اہم، مشکل اور بڑے نازک ہیں۔ مختلف انواع میں پھیلے ہوئے ہیں، عوام تو عوام بہت سارے خواص بھی واقف نہیں۔ عزیز موصوف ذہین وذکی، صاحبِ صلاحیت اور صاحبِ استعداد ہیں، اُنھوں نے اردو میں شرح لکھتے وقت بہت سے مسائل کی وضاحت شامی اور حاشیہ طحطاوی علی الدر سے کر کے اس شرح کی افادیت کو دوبالا کر دیا ہے، مجھے امید ہے کہ یہ شرح وقف کے مسائل کو سمجھنے میں معین ثابت ہوگی۔

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازے، اسے علم وہدایت کا روشن مینار بنائے اور عزیز موصوف کے لیے آخرت میں ذریعۂ نجات بنائے (آمین)

حبیب الرحمان خیرآبادی عفا اللہ عنہ
(مفتی دارالعلوم دیوبند)
۲۲/شعبان ۱۴۳۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ حال

مادرِعلمی دارالعلوم دیوبند میں دارالافتا کے سال اس ناچیز کو علامہ ''حصکفی'' رحمہ اللہ کی کتاب ''درِمختار'' کی ''کتاب الوقف'' کا حصہ پہلی مرتبہ پڑھنے کا اتفاق ہوا، اس سے پہلے اب تک پورے تعلیمی سال میں کسی بھی کتاب میں اس حصے کو پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا؛ اس وجہ سے یہ حصہ مشکل معلوم ہونے لگا اور مسئلے کو سمجھنے میں دشواری پیش آنے لگی، حضرت الاستاذ حضرت مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی دامت برکاتہم حد درجہ محنت سے پڑھاتے تھے؛ لیکن پھر بھی میں پورے طور پر سبق کو ہضم نہیں کر پاتا تھا اور سبق کے بعد بار بار حضرت کے پاس دارالافتا جاتا اور عرض کرتا حضرت یہ عبارت سمجھ میں نہ آئی، اس عبارت کا مطلب حل نہیں ہوا، ہر چند کہ آپ فتاویٰ نویسی کے کاموں میں بے حد مشغول رہتے تھے؛ لیکن اس کے باوجود بھی آپ نے کبھی بھی مجھے واپس نہیں کیا؛ بل کہ بڑی شفقت کے ساتھ دوبارہ پورے مسئلے کو اچھی طرح سمجھاتے اور سمجھا کر واپس بھیجتے؛ لیکن حضرت کی مصروفیتوں میں مخل ہونا اور بار بار کام میں رکاوٹ بننا مجھے خود اچھا معلوم نہیں ہوتا تھا؛ اس لیے میں نے سوچا کہ سبق کو سمجھنے کے لیے مجھے کوئی اور ترکیب کرنی چاہیے؛ لیکن کیا کرتا؟ کچھ پتہ نہیں، بہت غور وفکر کے بعد جب کوئی مناسب شکل سمجھ میں نہ آئی اور سبق بھی تیزی سے آگے بڑھنے لگا؛ پھر اپنا آخری ٹھکانہ یاد آیا کہ حضرت الاستاذ (حضرت اقدس حضرت مولانا ومفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم) کے سامنے اپنی پریشانی رکھتا ہوں ان شاء اللہ وہاں پریشانی حل ہوجائے گی، چناں چہ عصر کے بعد حضرت سے میں نے عرض کیا کہ مجھے ''درمختار'' کی ''کتاب الوقف'' سمجھ میں نہیں آرہی ہے، کیا کروں؟ تھوڑی دیر آپ اپنا

سر جھکائے بیٹھے رہے، میں سمجھ گیا کہ آپ میرے متعلق کچھ سوچ رہے ہیں، میں آپ کے سر اٹھانے کا انتظار کرنے لگا، تھوڑی دیر بعد آپ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا کہ دار العلوم کے کتب خانے میں جاؤ اور ’’**وقایة**‘‘ کا مختصر ’’**النقایة**‘‘ کی کتاب الوقف نقل کرو اور پھر اسے زبانی یاد کر کے مجھے سناؤ، میں نے اگلے ہی دن کتب خانے پہنچ کر ’’**النقایة**‘‘ کے کتاب الوقف کا حصہ نقل کر لیا، جو بہت ہی مختصر تھا اور ایک دو دن میں آپ کو میں نے سنا دیا؛ لیکن اتنے مختصر حصے سے میری پریشانی ختم نہ ہوئی، دوسری طرف حضرت نے یہ سمجھا کہ ابھی میں نے ’’**النقایة**‘‘ کا کچھ حصہ یاد کر کے سنایا ہے اور آئندہ مابقیہ سناؤں گا، ادھر میں یہ سمجھ کر کہ میں نے پورا متن سنا دیا ہے، آئندہ سنانا بند کر دیا، چار پانچ دن مسلسل میرے سنائے بغیر جب گذر گئے، تو ایک دن آپ نے میرے ایک قریبی ساتھی، جو میرے ساتھ اس وقت حضرت کی خدمت میں موجود تھے، ان کی طرف متوجہ ہو کر میرے متعلق فرمایا کہ اس نے صرف ایک دن ’’کتاب الوقف‘‘ سنایا اور اس کے بعد سنانا بند کر دیا اور اندازِ تکلم سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ آپ یہ چاہ رہے ہیں کہ مجھے اسے جلد سنا کر پورا کرنا چاہیے، آپ کے اس ارشاد کے بعد میں نے فوراً کہا کہ حضرت وہ تو پورا متن ایک ہی صفحے کا تھا، میں نے اسے سنا دیا، اب کیا سناؤں؟ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے؛ اس لیے کہ اتنے مختصر متن سے میرا مسئلہ حل نہیں ہوا، مجھے کتاب سمجھنے میں پریشانی ہو ہی رہی ہے، فوراً آپ متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اتنا ہی متن ہے؛ لہٰذا تم جو کتاب ’’درِ مختار‘‘ پڑھ رہے ہو، اسی کا متن: ’’**تنویر الأبصار**‘‘ حفظ کرو؛ تا کہ کتاب سمجھنے میں زیادہ مدد ملے؛ چناں چہ میں نے ایک دن بیٹھ کر ’’درِ مختار‘‘ کا پورا متن ایک کاغذ پر نقل کر لیا اور اسے حضرت کی ہدایت کے مطابق یاد کر کے روزانہ عصر کی نماز کے بعد سنانا شروع کر دیا اور کچھ دنوں میں الحمدللہ پورا متن سنا دیا اور ایک حد تک کتاب سمجھ میں آنے لگی، جب سنانا مکمل ہو گیا، تو آپ نے فرمایا کہ اب کل سے اس متن (**تنویر الأبصار**) کا با محاورہ ترجمہ اور ضروری تشریح لکھ کر لانا، اللہ کا نام لے کر میں نے یہ کام بھی شروع کر دیا اور حضرت الاستاذ مفتی حبیب الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کا سبق جو کچھ ذہن میں تھا، اسے سامنے رکھ کر ’’شامی، درمختار‘‘ اس کا حاشیہ ’’کشف الاستار‘‘ (جو عام طور پر ’’شامی‘‘ کا ہی اختصار

ہوتا ہے)''عین الہدایہ''اور''درمختار'' کا اردو ترجمہ''غایۃ الاوطار''ان سب کی مدد سے میں نے ترجمہ و تشریح کا کام شروع کر دیا؛لیکن کتاب حد درجہ مشکل تھی؛اس لیے کام کی رفتار بہت سست رہی روزانہ تین چار سطر ہی حل کر پاتا تھا، جسے فل اسکیپ کے دو تین صفحے پر لکھ کر حضرت الاستاذ کو روزانہ عصر کے بعد دکھاتا تھا اور تین چار سطر ہی حل ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ مجھے یہ کام چھ گھنٹے اسباق کی حاضری اور مغرب کے بعد مطالعہ''شامی''، جو حضرت مفتی فخر الاسلام صاحب دامت برکاتہم کے زیر نگرانی ہوا کرتا تھا، اس میں شرکت کے علاوہ دیگر اوقات میں کرنا تھا، جس میں تمام اسباق کا اعادہ، اگلا مطالعہ، تمرین فتویٰ وغیرہ سب شامل تھے۔ظاہر ہے وقت میں تنگی حد سے زیادہ تھی، ان ایام میں بہت کم ہی کتابوں کا خوانده دیکھنا نصیب ہوا، خیر کچھ کچھ روزانہ پابندی سے لکھتا اور حضرت الاستاذ کو عصر کے بعد دکھاتا اور آپ روزانہ اس لکھے ہوئے پر ایک نظر ڈال کر ضروری اصلاحات کی طرف متوجہ کر دیتے کہ اسے اس طرح لکھو، یہ لفظ ہٹادو، یہ لفظ لکھو، یہ تعبیر مناسب نہیں، اس کی جگہ یہ استعمال کرو، وغیرہ وغیرہ اور آپ کی ہدایت کے مطابق میں فوراً اس کو بدل دیتا۔

یہ سلسلہ آہستہ آہستہ اللہ کے فضل وکرم سے پورا ہو گیا اور میں نے الحمد للہ اچھی طرح ''کتاب الوقف'' کو سمجھ لیا، پھر دل میں خیال آیا کہ اس مسودے کو ٹائپ کرا کرا چھی طرح محفوظ کر لینا چاہیے، اس پر حضرت الاستاذ کی نظر پڑی ہے۔ چناں چہ اسے کمپوز کرا کر حضرت کو بتایا کہ میں نے اسے کمپوز کرالیا ہے، آپ نے اسے ہاتھوں میں لیا اور بہ غور دیکھا اور فرمایا کہ اسے چھاپ دو، میں نے حضرت سے فوراً کہا کہ اسے کون خریدے گا، اس کا تو فائدہ محدود ہے، صرف دار الافتا میں''کتاب الوقف'' کا سبق ہوتا ہے اور اس سے نیچے کسی جماعت میں یہ جز نہیں پڑھایا جاتا، تو آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے! تمھاری بات صحیح ہے؛ لیکن وقف کے مسائل کی دنیوی تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی ضرورت پڑتی ہے؛ لہٰذا کوشش کرو، اب میرے پاس کہنے کے لیے کچھ نہ تھا، میں خاموش رہا اور سلسلہ آگے بڑھنا شروع ہو گیا، درمیان میں سالانہ امتحان آ گیا؛ اس لیے امتحان کے زمانے میں جن ساتھیوں نے اس کا مطالبہ کیا کمپوز شدہ مسودہ فوٹو کاپی کرا کران کو دے دیا، امتحان کے بعد فوراً حضرت الاستاذ نے فرمایا کہ تم نے یہ کتاب حضرت مفتی

حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی سے پڑھی ہے؛ لہٰذا اُن کے پاس لے جاؤ اور ان سے یہ درخواست کرو کہ حضرت! اس پر ایک نظر اچھی طرح ڈال دیں کہ درحقیقت یہ ان ہی کے افادات ہیں۔

آپ کی ہدایت کے مطابق میں مسودہ لے کر حاضرِ خدمت ہوا اور ایک نظر ڈالنے کی درخواست کی عدیم الفرصتی کے باوجود آپ نے بڑا کرم فرمایا اور پورے مسودے پر گہری نظر ڈال کر ضروری اصلاحات فرمائی اور پھر مزید تقریظ لکھ کر اس ناکارے پر رحم وکرم کی انتہا کردی، بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ آپ کو صحت وعافیت کے ساتھ رکھے اور آپ کا سایہ دراز فرمائے اور اس ذرہ نوازی کا بہترین صلہ نصیب فرمائے۔

میں اس پر مسرت موقع پر مخدومی حضرت اقدس حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم (بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور) کا بے حد شکرگزار ہوں، جنھوں نے اپنی بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود کتاب کے کچھ حصے پر نظر فرما کر بڑی حوصلہ افزائی فرمائی اور جب مصروفیتوں نے پے در پے حملے شروع کر دیے، تو آپ نے جامعہ کے ایک زبردست صلاحیت کے مالک استاذ حضرت مولانا ومفتی سعادت اللہ خان صاحب کو مسودہ یہ کہہ کر پیش کر دیا کہ آپ ذرا شروع سے اخیر تک اسے دیکھ کر اپنی رائے سے مطلع فرمائیں، چناں چہ حضرت مفتی صاحب نے پوری کتاب پر ایک نظر فرما کر حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کو اپنی رائے سے آگاہ کیا، اس کے بعد آپ نے اپنے قیمتی کلمات کے ذریعے تائید فرما کر حوصلہ افزائی فرمائی۔

اللہ تعالیٰ دونوں حضرات کو اس عمل کا بہترین بدلہ اپنی شایانِ شان عطا فرمائے اور آئندہ بھی ان کی شفقت ومحبت نصیب فرمائے۔

استاذِ محترم حضرت مولانا محمد بدرالدین صاحب قاسمی مئوی (استاذِ حدیث وفقہ دارالعلوم امدادیہ، ممبئی) کا بھی بے حد ممنون ومشکور ہوں، جنھوں نے اپنے دعائیہ کلمات سے نواز کر اس بے مایہ وبے سرمایہ کو حوصلہ وہمت عطا کی۔

جہاں تک حضرت الاستاذ فقیہ النفس، شارحِ اسرارِ شریعت، محدثِ کبیر حضرت اقدس حضرت

مولانا و مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتھم (شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیو بند) کی بات ہے، تو حقیقت یہ ہے کہ اس مختصر رسالے کے وجود کا مکمل سبب آپ ہی ہیں، اگر قدم قدم پر آپ کی رہنمائی وحوصلہ افزائی شاملِ حال نہ ہوتی؛ تو یقیناً میں کسی بھی طرح ان اوراق کو سیاہ کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا، میں آپ کا رسمی شکریہ ادا کر کے اپنے ان بے پناہ جذبات کی توہین نہیں کرنا چاہتا، جو میرے دل میں موج زن ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ

لـو أنـنـي اُوتيـتُ كـلَّ بـلاغةٍ ☆ وأفـنَيـتُ بحرَ النُّطْقِ في النّظْمِ والنّثر

لَـمـا كـنتُ بعْد الكُلّ إلا مُقصِّرًا ☆ ومُعتـرِفاً بالعَجْزِ عن واجبِ الشّكر

اس مبارک موقع پر اگر میں استاذ گرامی مرتبت حضرت اقدس حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی (بحر العلوم)، اسی طرح استاذِ محترم حضرت مفتی عبد اللہ صاحب معروفی دامت برکاتھم (استاذِ تخصص فی الحدیث دار العلوم دیو بند) کا تذکرہ نہ کروں، تو یقیناً بجا طور پر احسان فراموش کہلائے جانے کا مستحق ہوں گا، ان دونوں اساتذۂ کرام نے تخصص فی الحدیث شریف کے دو سال جس طرح ہمیں بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کی اور حدیث کی تصحیح وتضعیف کے سلسلے میں ایک معتدل مقیاس بتا کر جس طرح ہمیں اس پر محنت کرائی اور حدیث و فقہ کے درمیان ایسی گہری مناسبت سمجھائی کہ ہمیں تخصص فی الحدیث کرتے ہوئے کبھی یہ محسوس نہیں ہوا کہ ہم محض حدیث میں اختصاص کر رہے ہیں؛ بل کہ یہ محسوس ہوا کہ ہم بیک وقت حدیث وفقہ دونوں میں تخصص کر رہے ہیں اور حدیث وفقہ کا ایک بہترین سنگم اور دونوں کے درمیان مضبوط ربط بتانا، یہ دار العلوم کے تخصص فی الحدیث کے شعبے کا خاص امتیاز ہے، اس کے علاوہ ہندوستان کے دیگر مدارس یا بیرون ہند خاص طور پر عرب ممالک میں جو تخصص کرایا جاتا ہے، اس میں دور دور تک یہ بات نہیں پائی جاتی، یہی وجہ ہے کہ دوسری جگہ سے حدیث میں تخصص کیے ہوئے طلبہ عام طور پر غیر مقلدیت کے خطرناک جراثیم میں پھنس کر فقہائے کرام کی شان میں گستاخیاں کرنے لگتے ہیں اور بے جا غرور میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اللہ جزائے خیر دے! استاذِ محترم بحر العلوم کو جنھوں نے دار العلوم میں تخصص فی الحدیث کا ایسا جامع نصاب تیار فرمایا کہ جس کے متعلق میں نے براہ راست

استاذ محترم حضرت مفتی عبداللہ صاحب معروفی سے ایک سے زائد مرتبہ سنا کہ حضرت بحر العلوم نے جو نصاب تیار فرمایا ہے، وہ یقیناً ایک تجدیدی کارنامہ ہے۔

مجھے امید ہے کہ حضرت مفتی عبداللہ صاحب معروفی دامت برکاتہم وقت آنے پر اسے تفصیل سے لکھیں گے اور اس جامع نصاب کی خصوصیات و امتیازات کو واضح کریں گے، اللہ تعالیٰ میرے ان دونوں مشفق و مہربان اساتذۂ کرام کو اپنی شایانِ شان دارین میں بہترین بدلہ عطا فرمائے اور عافیت کے ساتھ عمرِ دراز نصیب فرمائے۔

استاذِ محترم حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل امینی مظفر پوری دامت برکاتہم (استاذ عربی ادب و چیف اڈیٹر ماہ نامہ "الداعی" دارالعلوم دیوبند) نے بھی جس محبت و پیار اور اپنائیت کا معاملہ کیا، تعلیم و تربیت پر جس طرح توجہ دی، اس کا آج بھی ایک گہرا اثر دل پر چھایا ہوا ہے، جب بھی اساتذۂ مسیح العلوم کے ساتھ بیٹھتا ہوں، تو آپ کے ذکر کے بغیر ہماری مجلس کبھی ختم نہیں ہوتی، کسی نہ کسی درجے میں آپ کا ذکر خیر ہوتا ہی ہے اور ہم سب اس وقت یہ تمنا کرنے لگتے ہیں کہ کب اللہ تعالیٰ ہمیں دارالعلوم دکھائیں گے کہ ہم کچھ دیر آپ کی مجلس میں حاضر ہوکر اپنی روح کو تازگی بخشیں اور آپ کی زیارت کرکے نیکیاں بٹوریں۔

اکثر بیمار رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ عافیت کے ساتھ عمرِ دراز نصیب فرمائے اور ہمارے اس تعلق میں مزید استحکام نصیب فرمائے (آمین)

اس مبارک گھڑی میں میں اپنے مخلص ساتھی مفتی عبید انور شاہ دیوبندی، مفتی بختیار صاحب حیدر آبادی، مفتی ذکوان صاحب گجراتی کا بھی تذکرہ اوران کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں، جن کی طرف سے دوران تصنیف مجھے مسلسل ہمت ملتی رہی اور اس رسالے کی تکمیل پر یہ حضرات ہمیشہ ابھارتے رہے اور میری ادنیٰ کوشش کو اپنے **تشجیعی** کلمات کے ذریعے خوب سراہتے رہے، بطور خاص مفتی عبید انور شاہ دیوبندی نے تو اس سلسلے میں حد کردی، آج جب کہ میں ان سے کافی دور بنگلور شہر میں مقیم ہوں، جب بھی ان کے اخلاقِ فاضلہ کو سوچتا اور یاد کرتا ہوں، تو میں اللہ رب العزت کا

شکرادا کیے بغیر نہیں رہ پاتا، کہ اس مالک الملک نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھ جیسے ناکارے کو اتنا اچھا رفیق درس عطا کیا۔

اللہ تعالیٰ میرے تمام ساتھیوں کو بالعموم اور مذکورہ تینوں کو بالخصوص تا حیات خوش رکھے اور اپنے مبارک دین کی خدمت کے لیے اپنی رضا کے مطابق توفیق عطا فرمائے (آمین)

اسی طرح میں اپنے ادارے: ''جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم'' کے طلبہ بالخصوص مولوی محمد مدثر (متعلم عربی ہفتم) کا بھی بے حد ممنون و مشکور ہوں، جن کی مدد سے مجھے اس کتاب کو آخری مرحلے تک پہنچانے میں مدد ملی۔

ساتھ ہی ساتھ میں محترم جناب فیروز بھائی صاحب کی خدمت میں بھی ہدیہ تشکر پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں، جن کی سعیٔ پیہم اور جہدِ مسلسل سے ہی یہ معمولی کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہو سکی، اللہ تعالیٰ عافیت کے ساتھ ان کا سایہ دراز کرے اور ان کی والدۂ محترمہ کی بال بال مغفرت فرمائے، آمین۔

اور اخیر میں میں اپنے معزز قارئینِ کرام سے یہ عاجزانہ درخواست کرتا ہوں کہ اس میدان تصنیف میں میرا یہ پہلا قدم ہے، یقیناً مختلف جہات سے کوتاہیاں نظر آئیں گی؛ لہٰذا درخواست کرتا ہوں کہ ان چیزوں کی بنا پر مجھے تنقید کا نشانہ نہ بنائیں؛ بل کہ نقائص کی طرف ازراہِ شفقت متوجہ فرمادیں، میں آپ کا مشکور و ممنون ہوں گا کہ ہر طرح کے نقص و کمی سے پاک صرف اللہ کی کتاب ہے، انسان کتنی بھی کوشش کر لے اس کے کام میں نقص رہنا ضروری ہے؛ اس لیے کہ بندہ عاجز ہے اور حق تعالیٰ شانہ قادر مطلق ہیں؛ لہٰذا بندے کے کام میں نقص یہ عین بندہ ہونے کا تقاضہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے کام میں نقص کا نہ ہونا یہ عین خالق و مالک اور قادرِ مطلق ہونے کا تقاضہ ہے، میری والدہ محترمہ بالکل ہی پڑھی لکھی نہیں ہیں؛ لیکن میں نے بچپن ہی میں ان سے متعدد مرتبہ ایک شعر سنا، جسے اس مقام پر ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں؛ تاکہ میرا معذور ہونا، مزید مؤکد ہو جائے، وہ یہ شعر پڑھا کرتی تھیں۔

داغ داغ نہ کرو ہر ایک کو داغ ہے ☆ بے داغ کا صرف وہی پروردگار ہے

دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ میری اس معمولی کوشش کو محض اپنے فضل و کرم سے قبول فرمالیں،

میرے اور میرے حقیقی وروحانی والدین کے لیے اسے نجات کا ذریعہ بنادیں، ہر طرح کی کوتاہیوں کو معاف فرمادیں اور تاحیات اپنے دین کی خدمت کے لیے اپنی رضا کے مطابق قبول فرمالیں۔ (آمین)

بندۂ مسکین

محمد مرشد عفا اللہ عنہ

ادنیٰ خادم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور

۱۲/ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ مطابق: ۴/ جنوری ۲۰۱۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كتاب الوقف

وقف کی اصطلاحی تعریف

هوحَبْسُ العينِ علىٰ مِلْكِ الواقفِ و التّصدّقُ بِالمنفعة عنده و عندهما هو حَبْسُها علىٰ ملكِ الله تعالىٰ وصَرْفُ مَنفَعتِها علىٰ مَن أَحَبَّ.

تَرْجَمَة: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وقف نام ہے اصل شی ءکو واقف کی ملکیت میں برقرار رکھتے ہوئے اس کے منافع کو صدقہ کرنے کا اور حضراتِ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک وقف نام ہے، اصل شی ءکو اللہ کی ملک میں برقرار رکھتے ہوئے اس کے منافع کو اپنے پسندیدہ مصرف میں صرف کرنے کا۔

شَرْح: صاحبِ ''تنویر'' نے وقف کی دو اصطلاحی تعریف بیان فرمائی ہے: ایک امام صاحب رحمہ اللہ کی اور دوسری آپ کے دونوں شاگرد (امام ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ) کی، حضرت امام صاحب نے یہ تعریف اس لیے کی ہے کہ آپ کے نزدیک صحیح ترین قول کے مطابق وقف لازم نہیں ہوتا؛ بل کہ جائز ہوتا ہے۔ جیسے: عاریت، ہبہ؛ لہٰذا اس تعریف کی رو سے واقف کو ابطال وقف کا مکمل اختیار ہوگا اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ وقف لازم ہوتا ہے؛ لہٰذا جب واقف نے کوئی چیز وقف کردی، تو شی ءِ موقوف اس کی ملک سے نکل کر اللہ کی ملک میں چلی گئی، اب واقف اس وقف کو باطل نہیں کرسکتا اور نہ ہی اس کے انتقال کے بعد اس میں وراثت جاری ہوگی، اسی طرح صاحبین رحمہما اللہ کی تعریف کی رو سے

غنی پر بھی وقف صحیح ہو جائے گا، بایں معنی کہ مرنے کے بعد فقراء کی طرف منتقل ہو جائے گا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اگر صرف غنی پر وقف کیا تو صحیح ہے اور مآل کے اعتبار سے وہ فقراء کے لیے ہو جائے گا۔

خلاصۂ کلام: حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک وقف جائز اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک لازم ہوتا ہے۔

ملاحظة: فتوی صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے۔

وقف کا سبب

وسَببُه إرادةُ مَحبُوبِ النفُسِ.

ترجمة: اور وقف کا سبب دل پسند مصرف کا ارادہ کرنا ہے۔

شرح: وقف کا سبب آدمی کا دنیا میں اپنے عزیز وقریب میں سے یا اجنبی غریب فقیر میں سے، جس کے ساتھ چاہے بھلائی اور ان کو نفع پہنچانے کا ارادہ کرنا ہے اور آخرت میں ثواب مقصود ہوتا ہے؛ لیکن ثواب اسی کو ملے گا، جس کی نیت کا اعتبار ہے؛ لہٰذا کافر اگر وقف کرے؛ تو اس کا وقف صحیح ہو جائے گا؛ لیکن اسے ثواب نہیں ملے گا، کافر کا وقف صحیح اس لیے ہے کہ وقف اصلاً مباح ہے یعنی نماز، روزہ، حج جس طرح عبادت کے لیے وضع کیے گئے ہیں، اس طرح وقف عبادت کے لیے موضوع نہیں ہے؛ لہٰذا وقف کو عبادت بنانے کے لیے تقرب کی نیت شرط ہے۔

ملاحظة: کبھی وقف واجب ہوتا ہے، جیسے کسی نے نذر مان لی۔

وقف کا محل

ومَحلُّه المالُ المُتقَوِّمُ

ترجمة: اور وقف کا محل وہ مال ہے، جس کی (شرعاً) قیمت ہو۔

شَـرْح :وقف ایسی چیز کا صحیح ہوگا، جس کی شرعاً کوئی قیمت ہو یعنی شریعت کی نگاہ میں وہ مال ہو؛ لہٰذا اگر کسی نے ایسی کوئی چیز وقف کر دی، جو بظاہر مال ہے اس کی قیمت ہے؛ لیکن شریعت کی نگاہ میں وہ مال نہیں۔ جیسے: شراب، خنزیر وغیرہ، تو ایسی چیزوں کا وقف صحیح نہ ہوگا، اسی طرح یہ بھی وقف کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ مال متقوم از قبیلِ غیر منقولات ہو اور اگر از قبیل منقولات ہے، تو پھر اس میں تعاملِ ناس ضروری ہے اور علامہ طحطاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مراد وہ مال ہے، جو وقف کے وقت، واقف کی ملک میں ہو، چناں چہ اگر واقف نے کسی کی زمین غصب کر کے وقف کر دی؛ پھر اس زمین کو اصل مالک سے خرید لیا، تو وقف صحیح نہ ہوگا؛ اس لیے کہ وہ وقف کرنے کے بعد اس کا مالک بنا ہے۔(۱)

وقف کا رکن

وَرُكْنُـهُ الألفاظُ الخاصّةُ: كصدقةٍ موقوفةٍ مؤبَّدةٍ على المَساكينِ ونحوِه.

تَرجَمَة :اور وقف کا رکن الفاظ مخصوصہ ہیں۔ جیسے (یہ کہنا کہ میری یہ زمین) صدقہ موقوفہ ہے، غریبوں پر ہمیشہ کے لیے یا اس طرح کے دوسرے الفاظ۔

شَـرْح :صحتِ وقف کے لیے مذکورہ بالا الفاظ یا اس کے مانند دوسرے الفاظ مثلاً: یوں کہنا کہ یہ زمین خدا کے واسطے وقف ہے یا علی وجہ البرّ وقف ہے، ضروری ہے، ان الفاظ کو ''رکن'' اس لیے کہا گیا ہے کہ اگر کسی نے وقف نامہ لکھا؛ لیکن اس میں یہ الفاظ وقف کے سلسلے میں نہیں لکھے، تو بالاتفاق وقف صحیح نہ ہوگا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک دوام اور جہت کے ذکر کے بغیر بھی وقف صحیح ہے؛ اگر وقف غیر معین پر ہو۔ جیسے: مساکین، مسجد، مدرسے پر اور اگر وقف معین پر ہو۔ جیسے: زید پر یا فلاں کی اولاد پر تو اس صورت میں صرف لفظ ''موقوفۃ'' سے وقف صحیح نہ ہوگا، تعیین کے تابید

(۱) حاشية الطحطاوي على الدر:۲/۵۲۹

کے منافی ہونے کی وجہ سے اور مشائخِ بلخ نے آپ ہی کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحتِ وقف کے لیے سپردگی بھی ضروری ہے اور اکثر علماء نے اس سلسلے میں امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔

مُلاحَظہ : علامہ صدر الشہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عرف کی وجہ سے ہم امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں۔

وقف کی شرطیں

وشرطُه شَرطُ سائرِ التّبرُّعاتِ.

تَرجَمَة : اور وقف کی شرط وہی ہے، جو دیگر تمام تبرعات کی ہے۔

شَرح : دیگر تبرعات۔ مثلاً: ہبہ، صدقہ وغیرہ کی صحت کے لیے جو شرائط ہیں، وہی وقف کی صحت کے لیے بھی ہیں۔ جیسے: آزاد ہونا، مکلّف ہونا وغیرہ؛ لہٰذا غلام، بچہ، مجنون کا وقف صحیح نہیں ہوگا۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ واقف شیءِ موقوف کا مالک ہو؛ یہی وجہ ہے کہ فضولی نے اگر کوئی چیز وقف کردی پھر بعد میں مالک نے اجازت دے دی، تو وقف صحیح ہو جائے گا، وقف کے وقت ملکیت کے پائے جانے کی وجہ سے؛ برخلاف غاصب کے کہ اگر اس نے شیءِ مغصوب کو وقف کیا تو اس کا وقف صحیح نہ ہوگا ملکیت کے نہ پائے جانے کی وجہ سے۔ ''محجور'' نے اپنے اوپر وقف کیا، پھر اپنے بعد ہمیشہ کے لیے وقف کی کسی جہت میں وقف کر دیا، تو وقف صحیح ہوگا یا نہیں، اس سلسلے میں فقہائے کرام کے دو قول ہیں: زیادہ صحیح جسے اکثر محققین نے اختیار کیا ہے، وہ یہ ہے کہ وقف صحیح ہو جائے گا؛ کیوں کہ ''سفیہ'' کو تصرف سے روکنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنا نقصان کر بیٹھے گا غیر پر تبرع کر کے؛ لیکن مسئلۂ مبحوث عنہا میں حقیقۃً وہ خود اپنے اوپر تبرع کر رہا ہے؛ لہٰذا اس صورت میں اس کا کچھ نقصان نہ ہوگا اور یہی قول امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا بھی ہے۔

وقف کا ''منجز'' ہونا ضروری ہے

وأن يكون مُنَجَّزاً

تَرجَمَة :(صحت وقف کے لیے ضروری ہے کہ) وہ ''منجز'' ہو۔

شَرح :وقف کے صحیح ہونے کے لیے اس کا منجز ہونا بھی ضروری ہے؛ لہٰذا اگر کسی نے وقف کو کسی چیز پر معلق کیا۔ مثلاً: یہ کہا کہ اگر میرا لڑکا ہوا تو میرا یہ گھر غریبوں پر وقف ہے؛ تو یہ وقف صحیح نہ ہوگا، اسی طرح اگر کسی نے موقت وقف کیا۔ مثلاً: یہ کہ میرا یہ گھر دو مہینے کے لیے وقف ہے؛ تو بھی صحیح نہ ہوگا، اسی طرح خیارِ شرط کے ساتھ وقف کیا، تو بھی وقف صحیح نہیں ہوگا؛ لیکن اگر شرط موجود پر معلق کیا۔ مثلاً یہ کہا کہ اگر یہ زمین میری مملوک ہو، تو یہ مسکینوں پر وقف ہے، پھر معلوم ہوا کہ وقتِ تکلم وہ اس زمین کا مالک تھا، تو یہ وقف صحیح ہو جائے گا۔

شیءِ موقوف سے واقف کی ملک کے زائل ہونے کی شکلیں

والمِلكُ يزولُ بِقَضاءِ القاضِي المُوَلّٰى مِن قِبَلِ السُلطانِ ، أو بالموتِ إذا عَلَّق به ، أوْ بقَولهِ وَقفتُها في حَياتِي وبعد وَفاتي مُؤَبّدًا.

تَرجَمَة :اور شیءِ موقوف واقف کی ملکیت سے نکل جائے گی اس قاضی کے فیصلے سے جو بادشاہ کی جانب سے مقرر کردہ ہے، یا پھر واقف کی موت واقع ہو جانے سے جب کہ وقف کو موت پر معلق کیا ہو یا یوں کہنے سے کہ میں نے اس کو وقف کیا اپنی زندگی میں اور اپنی وفات کے بعد ہمیشہ کے لیے۔

شَرح :شیءِ موقوف سے واقف کی ملکیت چار طرح سے ختم ہوتی ہے:

(۱) اگر شیءِ موقوف مسجد وغیرہ کے قبیل سے ہے تو محض افراز سے واقف کی ملکیت اس سے ختم ہو جائے گی۔

(۲) یا پھر اس قاضی کے فیصلے سے جو بادشاہ کی طرف سے مقرر ہو؛ لیکن یہ حضرت امام صاحب کے مذہب کے مطابق ہے کہ آپ کے نزدیک وقف لازم نہیں؛ بل کہ جائز ہوتا ہے؛ لیکن جب قاضی وقف کے لزوم کا فیصلہ کر دے، تو پھر امام صاحب کے یہاں بھی وقف لازم ہو جائے گا اور شیءِ موقوف ہمیشہ کے لیے واقف کی ملک سے نکل جائے گی، صورت اس کی یہ ہے کہ واقف اور متولی میں اختلاف ہو گیا، واقف کہتا ہے کہ میں نے وقف سے رجوع کر لیا تھا اور متولی انکار کر رہا ہے، مقدمہ قاضی کے پاس گیا اور اس نے لزومِ وقف کا فیصلہ کر دیا، تو اب امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک بھی وقف لازم ہو جائے گا اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک تو وقف لازم ہوتا ہی ہے؛ لہٰذا "**مرافعة إلى القاضي**" کی ضرورت ہی نہیں۔

"**المولى من قبل السلطان**" کی قید اس لیے لگائی کہ واقف اور متولی اختلاف کی صورت میں اگر کسی تیسرے کو خود اپنے درمیان حکم بنالیں، تو اس کے فیصلے سے وقف لازم نہیں ہوگا اور اصل قاضی کو اس کے فیصلے کو باطل کرنے کا حق ہوگا، برخلاف قاضی کے فیصلے کے کہ اس سے واقف اور متولی کا اختلاف ختم ہو جائے گا اور اس کا فیصلہ لازم ہو جائے گا، اب کسی دوسرے کو یہ حق نہیں کہ قاضی کے فیصلے کو توڑ دے۔

(۳) یا شیءِ موقوف سے ملکیت ختم ہو جاتی ہے، واقف کی موت سے، جب کہ واقف نے وقف کو اپنی موت پر معلق رکھا ہو۔ مثلاً: کسی نے یہ کہا کہ جب میں مر جاؤں، تو میرا یہ گھر فلاں پر وقف ہے؛ لیکن صحیح قول کے مطابق اس صورت میں وصیت کے مانندِ ثلث مال میں وقف لازم ہوگا، موت کے بعد نہ کہ موت سے پہلے۔

فائدہ: علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں وقف صحیح نہ ہوگا اور شیءِ موقوف واقف کی ملکیت سے نہیں نکلے گی، نہ موت سے پہلے اور نہ ہی موت کے بعد، بل کہ یہ جملہ وصیت ہوگا اور ثلث مال میں یہ وصیت نافذ ہوگی؛ لہٰذا جب شیءِ موقوف واقف کی ملک سے نہیں نکلی، تو اس جملے کے استعمال کے بعد واقف کو رجوع کا مکمل اختیار ہوگا۔

(۴) شیِٔ موقوف سے واقف کی ملک کے زائل ہونے کی چوتھی شکل یہ ہے کہ واقف یوں کہے کہ میں نے اس کو وقف کردیا، اپنی زندگی میں اور اپنی وفات کے بعد ہمیشہ کے لیے، حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اس طرح بھی شیِٔ موقوف واقف کی ملک سے نکل جائے گی؛ لیکن امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک جب تک واقف زندہ ہے، اس وقت تک واقف کا یہ قول شیِٔ موقوف کی آمدنی کے تصدق کی نذر رہوگا اور واقف پر ایفائے نذر ضروری ہوگا اور اگر واقف رجوع کرنا چاہے؛ تو کراہت کے ساتھ اسے رجوع کا بھی اختیار رہے؛ لیکن اگر واقف نے اپنی زندگی میں رجوع نہیں کیا اور مرگیا، تو پھر ثلث میں وقف لازم ہوگا، اسی طرح تیسری شکل میں بھی حالتِ حیات میں امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک واقف کو بہ ہر صورت رجوع کا حق ہوگا، برخلاف حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے کہ ان کے یہاں وقف لازم ہوتا ہے؛ لہٰذا رجوع کا کوئی حق نہ ہوگا، البتہ پہلی دونوں صورت میں لزوم وقف فی الفور ہوجائے گا اور آخری دونوں صورت میں مآلاً ہوگا۔

وقف تام کب ہوتا ہے؟

ولایَتِمُّ حتی یُقبضَ ویُفرزَ.

تَرجَمَة : اور وقف تام نہیں ہوگا، تا آں کہ شیِٔ موقوف پر قبضہ کرلیا جائے اور اسے (غیر موقوف سے) الگ کرلیا جائے۔

شَرح : صحت وقف کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ شیِٔ موقوف پر قبضہ ہوجائے؛ لہٰذا واقف نے اگر اپنی چیز وقف کردی اور قبضہ نہیں دیا، تو وقف تام نہیں ہوگا، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ہر چیز پر قبضہ اسی طریقے پر ہوگا، جس طریقے پر اس پر قبضہ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً: اگر کسی نے مسجد بنوا کر وقف کیا، تو محض افراز اور واقف کے یہ کہہ دینے سے کہ میں نے اسے مسجد بنادیا واقف کی طرف سے یہ تسلیم ہوجائے گی اور اگر مسجد کے علاوہ دوسری چیز ہے۔ مثلاً: گھر دکان وغیرہ تو اس میں متولی مقرر کرکے حوالے کردینے سے سپردگی متحقق ہوگی، قبرستان میں مردوں کو

دفن کرنے ،سقایہ سے پانی پینے اور مسافر خانے میں لوگوں کے قیام سے سپردگی متحقق ہو جائے گی [۱] اور اگر از قبیل منقولات ہے،تو قبضہ دینے سے سپردگی پائی جائے گی ،اسی طرح صحتِ وقف کے لیے ضروری ہے کہ شیءِ موقوف کو غیر موقوف سے جدا کر دیا جائے ، لہٰذا اگر کسی نے ایسی جائداد وقف کی جو مشترک ہے،تو وقف صحیح نہ ہوگا ،بل کہ وقف کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ واقف شیءِ موقوف کو غیر موقوف سے الگ کر کے وقف کرے؛ لیکن وقف کی تمامیت کے لیے قبضہ اور افراز (جدا کرنا) کی شرط صرف امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ہے،اس لیے کہ آپ کے نزدیک وقف کے تمام ہونے کے لیے قبضہ ضروری ہے اور قبضہ بغیر افراز کے ہو نہیں سکتا، لہٰذا افراز کا ہونا بھی شرط ٹھہرا اور حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک مشاع کا وقف جائز ہے؛ اس لیے آپ کے نزدیک وقف کے تام ہونے کے لیے قبضہ شرط نہیں اور جب قبضہ شرط نہیں،تو قبضہ کا جو تتمہ ہے، بٹوارہ وہ بھی شرط نہ ہوگا اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے درمیان مذکورہ بالا اختلاف ایسی جائداد میں ہے، جو قابلِ قسمت ہو اور جو چیز بٹوارے کے قابل نہ ہو؛ تو اس کا وقف امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک بھی باوجود مشاع ہونے کے جائز ہے۔

فـــائـــدہ: امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے مسجد اور مقبرے کا استثناء کیا ہے یعنی اگر کسی نے ایسی مشترک زمین کو جو نا قابل تقسیم ہے وقف کیا مسجد یا قبرستان کے واسطے؛ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بھی وقف جائز نہ ہوگا؛ اس لیے کہ مسجد اور قبرستان سے باری باری نفع اٹھانے کا معاہدہ کرنا نہایت قبیح ہے، اس طرح کہ ایک سال اس میں مردوں کو دفن کیا جائے اور دوسرے سال اس میں کھیتی کی جائے برخلاف مسجد اور قبرستان کے علاوہ چیزوں کے کہ اس میں اس بات کا امکان ہے کہ اس کے اجارے یا زراعت وغیرہ سے جو آمدنی حاصل ہو، اُسے تقسیم کر دیا جائے یعنی جتنا حصہ وقف کا ہوا سے وقف کے مصرف میں صرف کر دیا جائے اور جو حصہ دوسروں کا ہو، وہ ان کو دے دیا جائے۔

---

(۱) شامی:۶/ ۴۲۷- ط: دارالکتاب، دیوبند

انتہاءِ وقف غیر منقطع جہت کے لیے ہونا چاہیے

و یُجعلَ آخِرُہ لجِھةٍ لاتنقطعُ

ترجمة :اور وقف کا آخر اس جہت کو مقرر کیا جائے گا جو کبھی ختم نہ ہو۔

شرح :ماتن رحمہ اللہ وقف کے تام ہونے کی ایک اور شرط بیان فرما رہے ہیں کہ صحت وقف کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ واقف وقف کی انتہاء قربت کی اس جہت کے لیے مقرر کر دے جو دائمی ہو۔ مثلاً: فقراء، مساکین پر؛ لیکن یہ شرط بھی حضرات طرفین رحمہما اللہ کے قول کے ہی مطابق ہے جیسا کہ تسلیم وافراز اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر واقف نے ایسی جہت میں صرف کیا جو دائمی نہ ہو۔ مثلاً: صرف اغنیاء پر یا اپنی اولاد پر تو بھی جائز ہے اور اس جہت کے منقطع ہونے کے بعد یہ وقف فقیروں کے واسطے ہو جائے گا اگر چہ فقراء کا نام نہ لیا ہو۔

فائدہ :امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ تابید آپ کے یہاں بھی شرط ہے۔ ہاں! لفظوں میں اس کا ذکر ضروری نہیں اگر کسی نے لفظوں میں تابید کا تذکرہ نہیں کیا، تو بھی انجام کے اعتبار سے وقف دائمی ہوگا، فقراء و مساکین پر۔ ہاں! امام ابو یوسف کی ایک مرجوح روایت یہ بھی ہے کہ وقف میں تابید شرط نہیں، لہٰذا اگر کسی نے اپنی جائداد کسی معین آدمی پر وقف کر دی تو وقف صحیح ہے اور اس معین شخص کے انتقال کے بعد شیِ موقوف واقف کے ورثہ کی ملک میں آجائے گی، لیکن مفتی بہ قول امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا یہی ہے کہ صحتِ وقف کے لیے تابید شرط ہے، گو کہ لفظوں میں اس کا تذکرہ نہ ہو۔

موقت وقف باطل ہے

وإذا وقّته بَطَلَ

ترجمة :اور جب کسی نے ایک متعین وقت کے لئے وقف کیا تو وقف صحیح نہ ہوگا۔

شَرح : ماقبل میں یہ بات آچکی ہے کہ صحت وقف کے لیے ضروری ہے کہ وہ دائمی ہو، لہٰذا اگر کسی نے موقت وقف کیا۔ مثلاً: یہ کہا کہ میرا یہ گھر ایک مہینے یا ایک سال کے لیے وقف ہے؛ تو وسقف صحیح نہ ہوگا، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب واقف صراحت کے ساتھ یہ کہہ دے کہ ایک مہینے یا ایک سال کے بعد یہ چیز میری ملک میں واپس آجائے گی، لیکن اگر واقف نے مطلقاً ایک مہینے یا ایک سال کے لیے وقف کیا اور اس مدت کے ختم ہونے کے بعد اپنی ملک میں واپس آنے کی شرط نہیں لگائی، تو وقف صحیح ہوگا اور دائمی ہو جائے گا؛ مگر صرف امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اور حضرات طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک چوں کہ لفظوں میں تابید کا تذکرہ ضروری ہے، لہٰذا ان کے نزدیک ایسی صورت میں وقف باطل ہوگا۔

لزوم وقف کے بعد اس کا بیچنا، ہبہ کرنا درست نہیں ......

فإذا تمّ ولزِم لايُمْلَكُ، ولا يُمَلَّكُ، ولايُعار، ولايُرْهَن

تَرجَمَة : پھر جب وقف تام اور لازم ہوگیا، تو نہ ہی وہ (واقف کی) ملک میں آئے گا اور نہ ہی وہ تملیک کو قبول کرے گا اور نہ اسے عاریت پر دیا جائے گا اور نہ ہی اسے بطور رہن کے رکھا جائے گا۔

شَرح : صحتِ وقف کے لیے جو شرائط ہیں، ان کا تذکرہ کرنے کے بعد، اب مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وقف جب اپنی جملہ شرائط کے ساتھ مکمل ہوگیا، تو وہ واقف کی ملک سے پوری طرح نکل گیا، اب اگر واقف چاہے کہ دوبارہ اسے اپنی ملک میں لے لے، تو یہ اس کے لیے درست نہیں، اسی طرح اگر واقف بیع وغیرہ کے ذریعہ شیءِ موقوف کا کسی دوسرے کو مالک بنانا چاہے، تو اسے اس کا بھی اختیار نہیں، جو چیز اس کی ملک سے نکل چکی ہے، اس کا دوسرے کو مالک بنانا محال ہونے کی وجہ سے، اسی طرح وقف کے تام ہونے کے بعد شیءِ موقوف نہ عاریت پر دی جائے گی اور نہ بطور رہن مرتہن کے پاس رکھی جائے گی؛ اس لیے کہ عاریت اور رہن کے صحیح ہونے کے لیے بھی ملک ضروری ہے اور شیءِ موقوف پر کسی کی ملک نہیں ہوتی، بلکہ وہ اللہ کی ملک میں ہوتی ہے اور اس کی آمدنی وقف

کے مصرف کی جہت میں صرف ہوتی ہے۔

شي ءِ موقوف کی تقسیم درست نہیں

ولا يُقسَمُ إلا عندهما إذا كانت بين الواقفِ، والمالكِ ، لا الموقوفِ عليهم

تَرجَمَة :اورشي ءِموقوف کی تقسیم بھی نہیں کی جائے گی مگر صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جب کہ قسمت واقف اور (اس کے شریک) مالک کے درمیان ہو نہ کہ موقوف علیہم کے درمیان۔

شَرْح :ایک زمین مثلاً: مشترکہ طور پر ایک جماعت کے درمیان وقف ہو،تو اسے مستحقین آپس میں تقسیم نہیں کرسکتے ؛ بل کہ مستحقین کواس بات کا پابند کیا جائے گا کہ وہ شي ءِموقوف سے باری باری فائدہ اٹھائیں ، مگر حضرات صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ قسمت واقف اور اس کے دوسرے شریک مالک زمین کے درمیان ہوتو پھر تقسیم جائز ہے۔صورت اس کی یہ ہے کہ مثلاً: ایک زمین دوآدمیوں کے درمیان مشترک تھی،ایک نے اپنے حصے کی زمین وقف کردی تو یہ وقف مشاع ہوا،اب اگر دوسرا فریق جو بقیہ آدھی زمین کا مالک ہےاور یہ واقف جس نے اپنا نصف حصہ مشترک زمین میں سے وقف کردیا تھا، یہ دونوں اگر آپس میں تقسیم کے ذریعے اپنے اپنے حصے کو الگ کرنا چاہیں،تو صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ تقسیم درست ہے،لیکن جن لوگوں پر مشترکہ طور پر ایک زمین وقف کی گئی، وہ حضرات اگر یہ چاہیں کہ ارض موقوفہ سے فائدہ اٹھانے کے لیےاس کے مختلف حصے کرکے آپس میں تقسیم کرلیں اور ہر ایک اس تقسیم شدہ حصوں میں سے ایک متعین حصے سے فائدہ اٹھائے ؛تو یہ بالاتفاق جائز نہیں ؛اس لیے کہ مستحقین کا حق عین شي ء سے نہیں ؛ بل کہ منافعِ شي ء سے متعلق ہوتا ہے۔

فائدہ: مذکورہ بالا تقسیم کی نوبت اس وقت آئے گی ؛ جب وقف کے مصرف کی جہت مختلف ہواور اگر جہت متحد ہو پھر تقسیم کی ضرورت نہیں۔

مسجد سے واقف کی ملکیت کیسے زائل ہوگی؟

ویزولُ ملکُه عن المسجدِ ،و المُصلّٰی بقوله جعلتُه مسجدًا، وشَرَطَ محمدٌ الصلاةَ فیه.

تَرجَمَة :اور مسجد وعیدگاہ سے واقف کی ملک زائل ہوجاتی ہے واقف کے یہ کہنے سے کہ میں نے اسے مسجد بنادیا اور امام محمد رحمہ اللہ مسجد میں نماز ہونے کی بھی شرط لگاتے ہیں۔

شَرْح :کسی شخص نے مسجد بنواکر وقف کی یا اپنی ایسی زمین جس میں عمارت نہیں لوگوں کے باجماعت نماز پڑھنے کے لیے وقف کردی یا اسی طرح عیدگاہ یا نماز جنازہ پڑھنے کے لیے کوئی جگہ وقف کردی، تو واقف کے محض اتنا کہنے سے کہ میں نے اسے مسجد یا عیدگاہ بنادیا، واقف کی ملک سے مسجد وعیدگاہ نکل جائیں گے، اس میں متولی مقرر کرنے اور اس کو سپرد کرنے کی ضرورت نہیں؛ لیکن یہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ حضرات طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ملک سے الگ کرلینے کے ساتھ ساتھ ایک نماز باجماعت ہونا بھی شرط ہے، اس کے بعد ہی اس پر مسجدِ شرعی ہونے کا حکم لگے گا اور ایک دوسرا قول ان حضرات کا یہ بھی ہے کہ باجماعت نماز ضروری نہیں، اگر واقف کے علاوہ کسی ایک شخص نے بھی اس میں ایک نماز پڑھ لی تو وہ مسجد شرعی ہوجائے گی، فتاوی قاضی خان میں اسی دوسرے قول کو مفتی بہ قرار دیا گیا ہے۔

مُلاحَظَة :جس طرح مسجد میں نماز پڑھ لینے سے سپردگی متحقق ہوجاتی ہے، اسی طرح اگر کوئی متولی مقرر کرکے مسجد اس کے حوالے کردے، تو یہ بھی سپردگی ہے اور یہ مسجد، شرعی مسجد ہوجائے گی، اگرچہ اس میں کوئی نماز نہ ہوئی ہو؛ اس لیے کہ متولی کو سپرد کردینے سے مسجد کامل طور پر اللہ تعالی کے سپرد ہوجائے گی۔(۱)

فائدہ :مسجد کا معاملہ دیگر اوقاف سے مختلف ہے اور ائمہ احناف میں سے تینوں کے یہاں صحت

(۱) شامی:۶/۵۴۶-ط:زکریا، دیوبند

وقف کے لیے مثبت ومنفی پہلو سے جو شرائط ہیں مسجد کے سلسلے میں ان حضرات نے اس کا مکمل لحاظ نہیں کیا ہے، چناں چہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قضائے قاضی سے پہلے شیءِ موقوف واقف کی ملک سے نہیں نکلتی، لیکن مسجد نکل جاتی ہے، حضرت امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک مشاع کا وقف جائز ہے، لیکن مسجد کے سلسلے میں جائز نہیں، امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک صحت وقف کے لیے سپردگی ضروری ہے؛ لیکن مسجد کے وقف کی صحت اس پر موقوف نہیں۔ (۱)

مصالحِ مسجد کے لیے تہ خانہ بنانا درست ہے

وَإِنْ جَعَلَ تحتَه سِرْدَاباً لمَصالِحِه جَازَ

تَرجَمَة: اور اگر مصالحِ مسجد کے لیے مسجد کے نیچے تہ خانہ بنادیا جائے، تو جائز ہے۔

شَرْح: اگر مصالحِ مسجد کے لیے مسجد کے نیچے تہہ خانہ بنادیا جائے اور اسے مسجد کی ضروریات کی چیزیں رکھنے کے لیے استعمال کیا جائے۔ جیسے: چٹائی، لوٹا، جھاڑو، مسجد کی صفائی کی مشین وغیرہ یا اسی طرح ہر وہ سامان جس کا تعلق ضروریات مسجد سے ہے، اسے رکھنے اور حفاظت کی غرض سے تہہ خانہ بنایا جائے اور اسے ان مصالح میں استعمال کیا جائے؛ تو درست ہے۔

مصالحِ مسجد کے علاوہ کے لیے تہ خانہ بنانا یا مسجد کے اوپر گھر بنانا

ولَو جَعَل لغيرِها أو فوقَه بيتًا، وجَعَل بابَ المسجد إلى طريقٍ و عَزَلَه عنْ ملكِه لا، وَله بيعُه ،ويُورَثُ عنه ،كما لَوْ جَعَل وَسْطَ دارِه مسجداً، و أذِن للصّلاةِ فيه.

تَرجَمَة: اور اگر تہہ خانہ مصالح مسجد کے علاوہ کے لیے بنایا گیا یا مسجد کے اوپری حصے میں کوئی گھر بنادیا اور مسجد کا دروازہ راستے کی طرف کر کے اپنی ملک سے الگ کردیا تو یہ مسجد (شرعی) نہ

(۱) شامی:۶/۴۲۶ - ط: دارالکتاب

ہوگی واقف کو اسے بیچنے کا حق ہوگا اور (واقف کی وفات کے بعد) اس میں وراثت جاری ہوگی۔
جیسا کہ اگر کسی شخص نے اپنے گھر کے بیچ مسجد بنا کر لوگوں کو اس میں نماز کی اجازت دے دی (تو یہ مسجد نہ ہوگی)۔

شَرح : ماقبل میں یہ بات آئی ہے کہ اگر مصالح مسجد کے لیے تہ خانہ بنایا گیا، تو یہ درست ہے، اب مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے برخلاف اگر مصالح مسجد کے علاوہ دوسرے کسی مقصد سے تہ خانہ بنایا جائے؛ تو یہ درست نہیں، اسی طرح اگر مسجد کے اوپر کوئی کمرہ بنا دیا گیا اور اس کی سکونت کسی کو دے دی گئی اور مسجد کا دروازہ عام راستے کی طرف کر کے اسے اپنی ملک سے جدا کر دیا؛ تو یہ مسجد نہ ہوگی اس لیے کہ افراز کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ مسجد کے اعلی واسفل میں بھی کسی بندے کی کوئی ملکیت وحق نہ ہو اور جب یہاں مسجد کے اوپر کوئی کمرہ بنا دیا گیا یا مسجد کے تہہ خانے کو اس کے مصالح کے علاوہ دوسری کسی ضرورت میں استعمال کیا جانے لگا؛ تو بندے کا حق اس سے متعلق ہو گیا اور افراز کا تحقق نہیں ہوا؛ لہٰذا یہ مسجد نہ ہوئی اور جب مسجد نہیں ہوئی، تو وہ بدستور واقف کی ملک میں باقی رہے گی اور واقف کو اسے بیچنے کا بھی حق ہوگا اور اس کی وفات کے بعد اس میں وراثت بھی جاری ہوگی اور اس کے مسجد نہ ہونے کی وجہ وہی ہے کہ مسجد خالص اللہ کے لیے ہوتی ہے ﴿أَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ﴾ اور جب اس سے بندے کا حق متعلق رہا، تو وہ خالص اللہ کے لیے نہ ہوئی جیسے کسی شخص نے اپنے گھر کے بیچ میں ایک مسجد بنوائی اور اس میں لوگوں کو نماز کی اجازت دے دی؛ تو وہ مسجد نہ ہوگی اور واقف کو اسے بیچنے کا حق ہوگا اور اس میں وراثت بھی جاری ہوگی، واقف کی ملک سے نہ نکلنے کی وجہ سے، یہ بات جاننی چاہیے کہ مسجد وہ ہوتی ہے، جس میں کسی کو حقِ منع حاصل نہ ہو اور جب واقف کی ملک مسجد کے چاروں طرف ہے، تو اس کو منع کرنے کا حق حاصل ہے: لہٰذا وہ مسجد نہ ہوئی، ہاں! اسی صورت میں وسطِ دار کو مسجد بنانے کے ساتھ ساتھ اگر مسجد تک آنے جانے کا راستہ بھی وقف کر دے، تو اب یہ مسجد شرعی ہو جائے گی؛ اس لیے کہ اب مکمل طریقے سے افراز کا تحقق ہو گیا اور کسی بھی طرح اس سے بندے کا حق متعلق نہیں رہا اور یہ خالص اللہ کے لیے ہوگئی۔

حضرات صاحبین رحمہما اللہ نے مکان کی تنگی کے پیشِ نظر دونوں صورتوں کو (اگر اوپر مکان اور نیچے مسجد ہو یا اس طرح نیچے مکان اوپر مسجد ہو اور اس کا راستہ گھر کے راستے سے بالکل الگ ہو) جائز قرار دیا ہے اور مسجد شرعی کا حکم لگایا ہے۔

مُلاحَظة :فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر نہیں ہے؛ اس لیے کہ مسجد جہاں ہوتی ہے، وہ تحت الثریٰ سے عنانِ سماء تک ہوتی ہے؛ لہٰذا نیچے سے اوپر تک مسجد ہی ہونی چاہیے، کوئی اور چیز نہیں، یہی مفتیٰ بہ قول ہے۔

مسجد کا اردگرد ویران ہوجائے تو؟

ولوخَرِبَ ما حَولَه و استُغني عنه يَبقٰى مسجداً عند الإمام والثاني ، و به يُفتٰى ، و عَادَ إلى المِلْكِ عند محمد رح.

تَرْجَمَة :اگر مسجد کا گرد و پیش بالکل ویران ہوجائے اور مسجد کی ضرورت باقی نہ رہے، تو بھی شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک وہ مسجد باقی رہے گی اور مفتی بہ قول یہی ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک (بانی یا اس کے ورثہ کے) ملک میں لوٹ آئے گی۔

شَرْح :مسجد کے آس پاس کی تمام آبادی کسی وجہ سے ختم ہوگئی اور وہ جگہ بالکل ویران ہوگئی، مسجد میں نماز پڑھنے والا کوئی نہ رہا یا یہ کہ مسجد ہی بالکل منہدم ہوگئی اور از سر نو اسے تعمیر کے لیے رقم وغیرہ کا انتظام نہیں اور لوگ آس پاس کی دوسری مسجد میں نماز پڑھنے لگ گئے، جس کی وجہ سے اس مسجد کی ان کو ضرورت باقی نہ رہی، تو حضرات شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس حال میں بھی یہ مسجد مسجد کے حکم میں باقی رہے گی، واقف کی ملک میں یا اس کی وفات کے بعد اس کے ورثہ کی ملک میں لوٹ کر نہیں آجائے گی، لوگ اس میں نماز پڑھتے ہوں یا نہ پڑھتے ہوں، اسی طرح وہ نماز پڑھنے کے قابل ہو یا نہ ہو اور مفتی بہ قول بھی یہی ہے؛ کیوں کہ واقف کی طرف سے اپنی ملک کا اسقاط ہے، لہٰذا دوبارہ اس کی ملک میں لوٹ کر نہیں آئے گی۔

حضرت امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں مسجد واقف یا اس کے ورثہ کے ملک میں لوٹ آئے گی؛ اس لیے کہ واقف نے مسجد کو ایک طرح کی قربت یعنی ادائے نماز کے لیے متعین کیا تھا اور بسبب مسجد کے ویران اور منہدم ہو جانے، یہ قربت ختم ہوگئی اور جب یہ قربت ختم ہوگئی، تو جس مقصد کے تحت اس نے وقف کیا تھا، اس میں شیءِ موقوف کا استعمال ہونے سے رہا؛ لہٰذا وہ چیز دوبارہ واقف کی ملک میں آجائے گی، جس طرح مسجد کا بوریا، مصلّٰی وغیرہ کہ جب اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی، تو یہ چیزیں واقف کی ملک میں واپس آجاتی ہیں۔

فائدہ: امام محمد رحمہ اللہ کے قول کی تفریع صرف اس صورت میں ہے، جب اصل وقف ہی منہدم ہوجائے اور دوبارہ از سرِ نو اس کی تعمیر کے لیے کوئی آمدنی وغیرہ نہ ہو، تو ایسی صورت میں شیءِ موقوف واقف یا اس کے ورثہ کی طرف لوٹ آئے گی اور منہدم ہونے کی صورت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک قاضی کی اجازت سے مسجد کی چٹائی، لوٹا، قنادیل وغیرہ کو یا اسے بیچ کر اس کی قیمت کو دوسری مساجد پر صرف کیا جائے گا، آپ کا صحیح قول یہی ہے جیسا کہ اگلی عبارت سے واضح ہے۔

مسجد کی گھاس اور چٹائی کا حکم

ومِثْلُه حَشِيْشُ المسجدِ، وحُصُرُه، مع الاستغناءِ عنهما

تَرجَمَة: مسجد کی گھاس اور اس کی چٹائیوں میں بھی اسی (مذکورہ بالا اختلاف) کے مانند اختلاف ہے، جب کہ ان دونوں کی ضرورت باقی نہ رہے۔

شَرح: ابھی ماقبل میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ وامام محمد رحمہ اللہ کے درمیان جس اختلاف کا ذکر ہوا، وہی اختلاف مسجد کی گھاس اور اس کی چٹائیوں کے سلسلے میں بھی ہے، امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک واقف یا اس کے ورثاء کی ملک میں لوٹ آئے گی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک واقف کی ملکیت میں نہیں لوٹے گی؛ بل کہ باجازت قاضی اسے دوسری مسجد کی طرف منتقل کردیا جائے گا یا اسے بیچ کر اس کی قیمت دوسری مسجد پر صرف کردی جائے گی اور ''فتاوی قاضي خان'' میں ہے کہ آلات مسجد جیسے چٹائی، لوٹا،

قنادیل وغیرہ کے سلسلے میں فتوی امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے کہ یہ چیزیں واقف کی ملک میں واپس آجائیں گی اور جہاں تک مسجد کے ملبے وغیرہ کی بات ہے یا اسی طرح مسجد کے ہر حال میں مسجد ہی باقی رہنے کی بات ہے، تو" البحر الرائق" میں ہے: اس بارے میں فتوی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر ہے کہ مسجد کے ملبے کو نہ دوسری مسجد کی طرف منتقل کیا جائے گا اور نہ اسے بیچا جائے گا؛ بل کہ وہ وہیں پڑا رہے گا، اسی طرح ویران اور منہدم ہونے کے بعد بھی مسجد مسجد ہی حکم میں رہے گی، واقف کی ملک میں نہیں آئے گی۔

عبارت میں "حشیش" سے کیا مراد ہے؟

مُلاحَظَة: متن میں جو "حشیش" کا لفظ آیا ہے علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ حشیش ہے، جسے فرش کی جگہ بعض شہروں میں بچھایا جاتا ہے، جیسا کہ بلادِ صعید میں اور حضرت علامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے مجھے باضابطہ اس کی اطلاع دی ہے۔

لیکن مسجد کی وہ گھاس جو صحن مسجد وغیرہ میں اگ آتی ہے، اگر اس کی قیمت ہے اور لوگ اسے پیسے سے خریدتے ہیں، تو مسجد کے متولی اس گھاس کو کاٹ کر بیچ سکتے ہیں، انھیں اس بات کا اختیار ہے اور وہ آمدنی مسجد کی ضرورت پر صرف ہوگی اور اگر گھاس بے قیمت ہے، لوگ اسے پیسے سے نہیں خریدتے، تو اسے یوں ہی کاٹ کر مسجد کے باہر ڈال دیا جائے گا، جو بھی لے جانا چاہے اٹھا کر لے جاسکتا ہے اور اسے استعمال کرسکتا ہے وہ اس کا مالک ہوگا۔ (۱)

ضرورت کے پیش نظر فتوے میں تبدیلی

فائدہ: علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فسادِ زمانہ کے پیش نظر مسجد کے ملبے اور ٹوٹن وغیرہ کو دوسری مسجد کی طرف منتقل کیے جانے کا فتوی دیا جانا چاہیے اور حضرت علامہ نے خود اپنا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مجھ سے ملبے کے منتقل کیے جانے کے متعلق سوال کیا گیا، میں نے مفتیٰ بہ قول کے

(۱) فتاویٰ عالم گیری: ۲/ ۴۲۸ - ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

مطابق عدم جواز کا فتوی دیا، بعد میں معلوم ہوا کہ جب ملبہ وہیں پڑا تھا، تو اس میں سے مسجد کا جو پتھر وغیرہ تھا، اسے بعض منھ زور قسم کے لوگ اٹھا کر لے گئے، تو مجھے اپنے دیئے ہوئے فتوی پر بڑی شرمندگی ہوئی[۱]۔ اب فتوی اسی پر ہے کہ مسجد کے ملبے کو دوسری مسجد کی طرف منتقل کر دیا جائے گا۔

سرائے اور کنویں سے جب فائدہ نہ اٹھایا جائے، تو اس پر وقف شدہ چیز کی آمدنی کا حکم

والرِّباطُ، والبِئرُ، إذا لم يُنتفَعْ بهما ؛ فيُصرَف وقفُ المسجدِ، والرّباطِ، والبئرِ، إلى أقرب مسجدٍ، أو رباطٍ، أو بئرٍ إليه.

تَرجَمَة: اسی طرح مسافر خانہ اور کنواں، جب ان سے فائدہ نہ اٹھایا جائے، تو مسجد مسافر خانے اور کنویں کے وقف (کی آمدنی) کو اس مسجد، مسافر خانے اور کنویں پر صرف کیا جائے گا، جو اس سے (ضرورت کے اعتبار سے) قریب تر ہو۔

شَرح: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک مسافر خانہ ہے یا کنواں مسجد وغیرہ ہے، ان پر کوئی دکان، مکان، یا جائیداد وغیرہ وقف ہے، ان کی آمدنی ان اشیائے موقوفہ پر صرف ہو رہی ہے؛ لیکن صورت حال یہ ہوگئی کہ لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھانا چھوڑ دیا، یا تو اس وجہ سے کہ لوگوں نے قریب میں دوسری مسجد بنوالی اور اس میں نماز پڑھنے لگے، یا یہ کہ وہاں قریب میں دوسرا اچھا مسافر خانہ، کنواں وغیرہ تیار کر دیا گیا اور لوگ اس سے استفادہ کرنے لگے، یا اس وجہ سے کہ لوگ وہاں کی رہائش چھوڑ کر چلے گئے اور دوسری جگہ جا کر رہنے لگے اور ان چیزوں سے فائدہ اٹھانے والا کوئی نہ رہا؛ تو ایسی صورت میں ان اوقاف کی آمدنی کو ان سے قریب جو ضرورت مند اوقاف (مسجد، مسافر خانہ، کنواں

---

(۱) شامی: ۶/۴۳۰ ط: دار الکتاب، دیوبند

وغیرہ) ہیں، ان پر صرف کیا جائے گا۔

فــائــدہ: ماقبل میں معطل اوقاف کی آمدنی کہاں صرف ہوگی اس کا تذکرہ ہوا، اب یہاں دو باتیں قابل غور ہیں:

(۱) مذکورہ بالا صورت میں جب لوگوں نے مسجد مسافر خانے کنویں وغیرہ سے کسی بھی وجہ سے فائدہ اٹھانا چھوڑ دیا تو ان کے سامان کا کیا حکم ہے۔

(۲) اسی طرح خود ان اوقافِ معطلہ (مسجد، مسافر خانے، کنویں وغیرہ) کا کیا حکم ہے؟

پہلی صورت کا جواب یہ ہے کہ اگر لوگوں نے مسجد میں کسی وجہ سے نماز پڑھنا چھوڑ دیا تو آلات مسجد (چٹائی، لوٹا، چراغ، پنکھا وغیرہ) کو واقف یا اس کے ورثہ کی طرف منتقل کر دیا جائے گا آلات مسجد کے سلسلہ میں یہی قول مفتیٰ بہ ہے اور یہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے۔[1]

اور دوسری صورت کا جواب یہ ہے کہ کنویں، حوض، مسافر خانے وغیرہ کو تو دوسرے ایسے کنویں، حوض، یا مسافر خانے وغیرہ کی طرف منتقل کر دیا جائے گا جو اس سے قریب تر ہوں (ضرورت کے اعتبار سے) واقف یا اس کے ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا، جہاں تک مسجد کی بات ہے تو اس سلسلہ میں مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ مسجد کو دوسری مسجد کی طرف منتقل نہیں کیا جائیگا یہی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول ہے ہاں البتہ اگر مسجد کی دیوار، چھت وغیرہ گر جائے اور اس کی لکڑی پتھر وغیرہ کے متعلق یہ اندیشہ ہو کہ لوگ اٹھا لے جائیں گے تو ضرورت کی وجہ سے ان لکڑیوں اور پتھروں وغیرہ کو دوسری مسجد کی طرف منتقل کر دئے جانے کی گنجائش ہوگی جیسا کہ ماقبل میں علامہ شامی رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ گذرا۔

خــلاصۂ کلام: آلاتِ مسجد کے سلسلے میں امام محمد رحمہ اللہ اور انقاضِ مسجد کے سلسلے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول مفتیٰ بہ ہے۔[2]

مُلاحَظَــة: مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کے سامان کو مسافر خانے کی

(۱) دیکھئے: فتاویٰ عالمگیری: ۲/ ۴۲۸ - ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت

(۲) دیکھئے: شامی: ۶/ ۵۴۹ - ط: زکریا، دیوبند

طرف یا اس کے برعکس منتقل کرنا جائز نہیں، ہاں! "شرح الملتقی" میں اتنی بات ضرور ہے کہ اقرب جنس کی طرف پھیرا جا سکتا ہے، شاید اس کی مثال یہ بن جائے کہ مسجد کے سامان کو عیدگاہ وغیرہ کی طرف اسی طرح کنویں کے سامان کو حوض کی طرف پھیرا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم

ایک وقف کی آمدنی دوسرے میں کب استعمال کر سکتے ہیں؟

اتَّحدَ الواقفُ، والجهةُ ،وقَلَّ مَرْسومُ بعضِ الموقوفِ عَليهِ ، جَاز للْحَاكمِ أن يَصرِف مِنْ فاضلِ الوقفِ الآخَرِ عَليْه"

تَرجَمَة : واقف اور وقف کی جہت متحد ہو اور بعض موقوف علیہ کی تن خواہ کم پڑ جائے، تو حاکم کو اس کا اختیار ہے کہ وہ دوسرے وقف کی فاضل آمدنی اس پر (جس موقوف علیہ کی تن خواہ کم پڑ گئی ہے) صرف کرے۔

شَرح : مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک مسجد پر دو وقف کیے، ایک مسجد کی عمارت وغیرہ کی درستگی پر خرچ کے لیے اور دوسرا امام مؤذن کی تن خواہ کے لیے، اب صورتِ حال یہ ہوئی کہ جو وقف مسجد کے امام مؤذن کی تنخواہ کے لیے تھا، اس سے آمدنی کا سلسلہ بالکل منقطع ہو گیا یا بالکل ختم تو نہیں ہوا؛ لیکن اتنا کم ہو گیا کہ اس آمدنی سے دونوں کی تن خواہ پوری نہیں ہو پا رہی ہے۔ مثلاً: یہ کہ شیءِ موقوف ایک دکان تھی وہ کسی حادثے کی نظر ہو گئی اور بالکل ٹوٹ پھوٹ گئی، جس کی وجہ سے آمدنی بالکل رک گئی یا کہ اس کے پرانی اور بوسیدہ ہونے کی وجہ سے کرایہ کم ہو گیا اسے زیادہ کرائے پر لینے کو کوئی تیار نہیں ہوتا، تو ایسی صورت میں وہ وقف جو مسجد کی عمارت وغیرہ کی درستگی کے لیے ہے، اگر اس مصرف میں خرچ کے بعد کچھ آمدنی بچتی ہے؛ تو اسے امام ومؤذن کی تن خواہ میں خرچ کرنے کی قاضی کو اجازت ہے، لیکن اگر جہت وقف مختلف ہو جیسے ایک آدمی نے کوئی چیز مسجد اور مدرسے پر وقف کیا یا یہ کہ خود واقف مختلف ہوں۔ جیسے: دو آدمیوں نے الگ الگ دو وقف کیے، ایک مسجد پر، یا یہ کہ واقف اور جہتِ وقف دونوں مختلف ہوں جیسے دو آدمیوں نے الگ الگ مسجد اور مدرسے پر وقف

کیا تو ان تینوں صورتوں میں قاضی اور حاکم کو بھی اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ ایک وقف کی آمدنی دوسرے وقف پر صرف کرے۔

فائدہ: واقف اور جہت وقف کے متحد ہونے کی صورت میں مصنف رحمہ اللہ نے صرف حاکم کے لیے جائز کہا ہے، معلوم ہوا کہ پہلی صورت جو جواز کی ہے اس میں بھی متولی کو یہ حق نہیں، کہ ایک کی آمدنی دوسری طرف صرف کرے؛ اگر چہ واقف اور جہت وقف متحد ہو۔

اس غیر منقول کا وقف جس میں لوگوں کا تعامل ہے

ولـو وَقَفَ الـعَقارَ بِبَقَرِه، وَأَكَرَته، صَحَّ ،كمُشاعٍ قُضِيَ بِجَوازِه، ومَـنـقـولٍ فيـه تعاملٌ، كفَأسٍ، وقَدُّومٍ ،ودراهمَ، ودَنانيرَ، وقِدْرٍ، وجِنَازَةٍ.

تَرجَمَة: اگر کسی نے زمین وقف کی بیل اور کھیتی کرنے والے غلاموں کے ساتھ، تو یہ وقف صحیح ہے، جیسے اس مشاع کا وقف (صحیح ہے) جس کے جواز کا فیصلہ قاضی کی طرف سے ہوگیا ہو اور ان اشیائے منقولہ کا بھی وقف صحیح ہے، جن میں لوگوں کا تعامل ہو، جیسے: کلہاڑی، بسولا، دراہم ودنانیر، دیگیں جنازے کی چارپائی۔

شَرح: اشیائے منقولہ کے وقف کے صحیح ہونے نہ ہونے کے سلسلے میں ائمہ احناف کے درمیان اختلاف ہے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک منقولات کا وقف علی الاطلاق ناجائز ہے، نہ اصلاً اور نہ ہی غیر منقولات کے تابع ہوکر اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ذرا سا اختلاف کے ساتھ منقولات کا وقف بھی جائز ہے۔ وہ اختلاف یہ ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منقولات کا وقف غیر منقولات کے تابع ہوکر تو جائز ہے؛ مگر مستقلاً جائز نہیں۔ جیسے: کھیت کے تابع ہوکر جوتنے والے غلاموں اور بیلوں، اسی طرح کھیتی کرنے کے دیگر دوسرے آلات کا وقف صحیح ہے؛ لیکن مستقلاً ان چیزوں کا وقف صحیح نہیں اور ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز اصلاً ثابت نہ ہومگر تبعاً

ثابت ہو، اور یہ فقہ کا قاعدہ ہے: **قد يثبت الشيء تبعًا وحكمًا وإن كان قد يبطل قصدًا** :
حضرت امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تعامل ناس کی وجہ سے، یعنی جن منقولات کے وقف میں لوگوں کا تعامل ہے ان منقولات کا وقف مستقلاً اور تبعاً ہر طرح سے درست ہے، جیسے: کلہاڑی، بسولا، کدال، آرا، دیگیں، تابوت (جنازے کی چارپائی) اس پر رکھنے کا کپڑا، قرآن شریف اور دیگر دینی کتابیں۔ امام محمد رحمہ اللہ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ قیاس کا تقاضہ تو یہی ہے کہ ان چیزوں کا وقف صحیح نہ ہو لیکن کبھی تعامل کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے، جیسے: ''استصناع'' کی بیع اور اس سلسلے میں امام محمد رحمہ اللہ کا ہی قول مفتیٰ بہ ہے۔

فائدہ: آلات جہاد مثلاً: گھوڑے، ہتھیار، زرہیں وغیرہ کے وقف کے صحیح ہونے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ بھی امام محمد رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں، جب کہ یہ چیزیں بھی از قبیل منقولات ہیں اور ان کا وقف مستقلاً صحیح ہو رہا ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ ان اشیاء کا بھی وقف صحیح نہ ہو، لیکن چوں کہ ان اشیاء کے وقف کے سلسلے میں نص وارد ہے، لہٰذا استحساناً ان کا وقف درست ہے اور قیاس وہیں تک ترک کیا جا سکتا ہے جہاں تک نص ہو اور نص صرف گھوڑے، ہتھیار، اور زرہوں میں ہے؛ لہٰذا ان کا وقف صحیح ہوگا اور ان کے علاوہ دیگر اشیاء منقولہ کا وقف مستقلاً صحیح نہیں اور اس بارے میں نص وہ حدیث ہے جس میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خالد رضی اللہ عنہ نے اپنی زرہیں اور گھوڑے اللہ کے راستے میں وقف کیے ہیں۔ (۱)

كمشاع قُضي بجوازه ...اهـ: مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عقار کا وقف بیل اور کھیتی کرنے والے غلاموں کے ساتھ اسی طرح صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے، جیسے اس مشاع کا وقف بالاتفاق صحیح ہے جس کے جواز کا فیصلہ قاضی کی طرف سے ہو گیا ہو، ماقبل میں یہ بات آچکی ہے کہ مشاع کا وقف صرف امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے، امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں اور اس اختلاف کی بنیاد تسلیم کا شرط ہونا ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک تسلیم شرط نہیں تو افراز بھی

(۱) الصحيح للبخاري: ۱۴۶۸، الصحيح لمسلم: ۹۸۳

ضروری نہیں اور امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک وقف کی تمامیت کے لیے چوں کہ سپردگی ضروری ہے، لہٰذا افراز بھی ضروری ہوگا کہ بدوں اس کے سپردگی متحقق نہیں ہوسکتی اور یہ بات بھی آچکی ہے کہ یہ اختلاف صرف ان چیزوں میں ہے جو قابل تقسیم ہوں اور وہ چیز نا قابل تقسیم ہے تو پھر وقف مشاع بالاتفاق جائز ہے، لہٰذا اگر کسی نے وقف مشاع کیا تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ کے نزدیک جائز اور امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک ناجائز ہے، لیکن جب قاضی کی طرف اس مشاع کے وقف کے صحیح ہونے کا فیصلہ ہوجائے جو قابل تقسیم ہے تو اب باتفاق امام محمد رحمۃ اللہ کے یہاں بھی یہ وقف صحیح ہوجائے گا۔

خلاصۂ کلام: جس طرح قابل تقسیم مشاع کا وقف قضائے قاضی کے بعد باتفاق صاحبین رحمہما اللہ درست ہوجاتا ہے اسی طرح عقار کے ساتھ بیل، کھیتی کرنے والے غلام کا وقف بھی باتفاق صاحبین رحمہما اللہ صحیح ہے۔

وقف کی آمدنی کس ترتیب سے استعمال کی جائے گی؟

ويُبدأُ من غَلَّته بعِمَارَتِهِ، وإن لم يشترِطْه الواقفُ

ترجمة: اور وقف کی آمدنی سب سے پہلے اس کی عمارت پر صرف کی جائے گی، اگرچہ واقف نے اس کی شرط نہ لگائی ہو۔

شرح: ایک شخص نے مثال کے طور پر ایک دکان کسی مسجد پر وقف کی تو دکان سے حاصل ہونے والی آمدنی کرایہ وغیرہ کے صرف کی ترتیب کیا ہوگی، مصنف رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آمدنی کو سب سے پہلے اسی دکان کی عمارت کی درستگی اور مرمت میں صرف کیا جائے گا، بشرطیکہ عمارت کی مرمت کی ضرورت ہو، پھر اس کے بعد مسجد کے امام کی تن خواہ بقدر کفایت دی جائے گی، اسی طرح ان کے بعد بالترتیب چراغچی، فراش، مؤذن اور متولی کو دی جائے گی، اسی طرح چراغ کے تیل، چٹائی وضو کے پانی وغیرہ میں یہ رقم صرف کی جائے گی اور ان جگہوں میں رقم کے صرف کرنے میں واقف کی شرط بھی ضروری نہیں اگر واقف نے شرط نہ بھی لگائی ہو تو بھی سب سے پہلے وقف کی آمدنی سے اس

کی عمارت کی اصلاح کی جائے گی، پھر بالترتیب مذکورہ جگہوں میں صرف کی جائے گی اور واقف کی شرط؛ اس لیے ضروری نہیں کہ یہ شرط واقف کی طرف سے اقتضاءً ثابت ہے، اس طریقے پر کہ واقف کے وقف کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ وقف سے حاصل ہونے والی آمدنی ہمیشہ اس کے مصرف کی جہت میں صرف ہوتی رہے اور ہمیشگی اسی وقت ہوسکتی ہے جب شیءِ موقوف باقی رہے اور اس کی بقاء اسی وقت ممکن ہے جب بوقت ضرورت اس کی اصلاح ہوتی رہے ورنہ اگر اس کو یوں ہی چھوڑ دیں گے؛ تو شدہ شدہ عمارت بالکل منہدم ہوجائے گی اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی کا سلسلہ بالکل موقوف ہوجائے گا اور اس صورت میں واقف کا مقصد فوت ہوجائے گا، معلوم ہوا کہ واقف اگرچہ صراحۃً اس کی شرط نہ لگائے؛ مگر اقتضاءً واقف کی طرف سے یہ شرط ملحوظ ہوتی ہے اور اگر واقف صراحۃً یہ شرط لگادے کہ آمدنی سب سے پہلے عمارت کی درستگی پر صرف کی جائے گی؛ تب تو متولی پر لازم ہے کہ رقم کی ایک مقدار عمارت کی تعمیر کے فنڈ میں الگ کر کے رکھ دے، اگرچہ فی الحال اس کی ضرورت نہ ہو؛ کیوں کہ ممکن ہے کہ آئندہ اچانک کسی وقت اس کی تعمیر کی ضرورت پیش آجائے اور آمدنی نہ ہو؛ لہٰذا یہ محفوظ کردہ رقم اس وقت کام آجائے گی، پس واقف کے شرط لگانے اور نہ لگانے کی صورت میں تھوڑا سا فرق ہوا، کہ شرط نہ لگانے کی صورت میں اگر فی الوقت مرمت کی ضرورت ہوگی؛ تو سب سے پہلے اس کی مرمت کریں گے اور اگر فی الحال ضرورت نہ ہوگی؛ تو آئندہ کے لیے محفوظ نہ کریں گے؛ لیکن شرط لگانے کی صورت میں اگر فوری ضرورت نہ ہو، تو تب بھی آئندہ کے لیے کچھ رقم محفوظ کرلیں گے۔

مُلاحَظة : وقف کی آمدنی سب سے پہلے اس کی عمارت پر صرف کی جائے گی؛ لیکن دو باتوں کی رعایت کے ساتھ:

(۱) عمارت پر اسی قدر صرف کیا جائے گا، جس طرح کی عمارت واقف نے وقف کی تھی، اس سے زیادہ اس کی خوب صورتی اور تزیین پر صرف نہیں کیا جائے گا۔

(۲) اسی طرح عمارت خود بخود بوسیدہ ہوکر یا کسی حادثے کا شکار ہوکر منہدم ہوئی ہے یا

خراب ہوئی ہے، تب وقف کی آمدنی اس پر صرف ہوگی؛ لیکن اگر کسی کے دخل سے خراب ہوئی ہے۔ مثلاً: یہ کہ ایک دکان کسی کو کرایے پر دی گئی، مستاجر اس میں دکان کرنے کے بجائے اپنا بیل، بھیس وغیرہ باندھنے لگا، جس نے پوری دیوار اور فرش خراب کردی، تو اس صورت میں وقف کی آمدنی سے عمارت کی اصلاح نہیں کی جائے گی؛ بل کہ مستاجر ضامن ہوگا اور اس پر دیوار، فرش وغیرہ کی درستگی ضروری ہوگی۔

وقف کے مرمت کی ذمے داری کس پر ہے؟

ولو دارًا فعِمارتُه على مَنْ له السُكنٰى ،ولم يَزِدْ في الأَصحِّ، ولو أَبٰى، أو عَجز، عمّر الحاكمُ بأُجرتِها، ثمّ ردّها إلىٰ مَنْ له السُكنٰى.

تَرْجَمَة :اور شیءِ موقوف کے ''دار'' ہونے کی صورت میں اس کی تعمیر اس شخص پر ہے، جس کے لیے ''سکنیٰ'' (رہائش) ہے اور وہ (ساکن) گھر کی مرمت میں زیادہ نہیں کرے گا؛ (واقف سے یعنی واقف نے جس حالت پر وقف کیا تھا ساکن مرمت کے ذریعے عمارت کو اسی سابقہ حالت پر کردے گا؛ اس سے زیادہ خوبصورتی، تزیین وغیرہ اس کے ذمے نہیں) صحیح قول کے مطابق اور اگر ساکن تعمیر سے انکار کردے یا (بہ سبب فقر کے) عاجز ہوجائے، تو قاضی مکان کے کرائے سے اس کی تعمیر کرے گا، پھر تعمیر کے بعد ''من له السكنى'' کو گھر واپس کردے گا۔

شَرْح :ایک شخص نے اپنا گھر وقف کیا اور اس کی سکونت اپنی اولاد یا فقرا کے لیے مقرر کی، ایسی صورت میں اگر بوسیدگی کی وجہ سے یا کسی حادثے کا شکار ہونے کی وجہ سے گھر کی تعمیر کی ضرورت پیش آئے، تو جس کے لیے منفعتِ سکنی ہے، تعمیر اسی کے ذمے ہوگی اور یہ حضرات اپنے ذاتی پیسے سے اس کی مرمت کریں گے اور ''من له السكنى'' چاہے ایک ہو یا ایک سے زائد، انھیں یہ حق نہیں پہنچتا، کہ مکان کو کرائے پر دے دیں اور پھر اس کی آمدنی سے اس کی اصلاح کرائیں؛ اس لیے

کہ انھیں صرف حق سکنی حاصل ہے، ''دارِ موقوفہ'' کے یہ مالک نہیں، لہٰذا یہ کرائے پر نہیں دے سکتے اور ''من له السکنی''، پر تعمیر کی ذمہ داری اصول کے مطابق ہے۔ قاعدہ ہے: ''**الخراج بالضمان**''، ''**الغرم بالغنم**'': نقصان منفعت کے بدلے ہے؛ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ ان پر بھی مکان کے اصلاح کی ذمے داری اسی صفت پر ہے، جس صفت پر واقف نے وقف کیا تھا؛ اس لیے کہ تعمیر وقف کو باقی رکھنے کی ضرورت سے ہے، لہٰذا جس قدر تعمیر اور مرمت سے وقف باقی رہ سکتا ہے، اس سے زیادہ تعمیر کی کوئی ضرورت نہیں۔

لیکن اگر ''**من له السکنی**'' اپنے پیسے سے تعمیر پر راضی نہ ہوں یا یہ کہ ان میں مرمت کرانے کی صلاحیت ہی نہ ہو، تو پھر ایسی صورت میں قاضی یا متولی تعمیر وقف کے سلسلے میں ان پر زور زبردستی نہیں کریں گے، کہ تم کو کرانا ہی ہوگا؛ بل کہ اس گھر کو کسی دوسرے کو کرائے پر دے دیں گے اور اس کی حاصلات سے مکان کی تعمیر کرائیں گے اور متولی وقاضی بھی تعمیر اتنی ہی کرائیں گے، جس صفت پر واقف نے وقف کیا تھا؛ کیوں کہ مرمت کی اتنی مقدار سے بقائے وقف کی ضرورت پوری ہو جائے گی، لہٰذا ''**من له السکنی**'' کی رضامندی کے بغیر اس سے زیادہ مرمت نہیں کی جائے گی۔ مثال کے طور پر جب ''**من له السکنی**'' نے اپنے ذاتی پیسے سے گھر کی مرمت کا انکار کر دیا، تو اب متولی یا قاضی نے اس گھر کو اس سے لے کر پانچ مہینے کے لیے کسی دوسرے کو کرائے پر دے دیا، پانچ مہینے کے کرائے سے اتنی آمدنی حاصل ہوگئی، کہ اس سے دارِ موقوفہ کی اس قدر مرمت ہو سکتی ہے، جس صفت پر واقف نے وقف کیا تھا، لہٰذا اب جب کہ اتنی رقم حاصل ہوگئی، جس سے عمارت پہلے کی طرح درست ہو جائے گی، جیسی واقف نے وقف کی تھی، تو اب متولی یا قاضی کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ ''**من له السکنی**'' کی اجازت کے بغیر اس گھر کو مزید پانچ مہینے کے لیے اور کرائے پر دیئے رکھے؛ تاکہ مزید حاصل ہونے والی آمدنی سے مکان کی خوبصورتی اور تزیین وغیرہ کے کام میں اس رقم کو استعمال کرے۔ بل کہ دارِ موقوفہ کی ضروری مرمت کے بعد قاضی یا متولی وہ مکان ''**من له السکنی**'' کو واپس کر دے گا؛ تاکہ دونوں حق کی رعایت ہو جائے، تعمیر کی صورت میں واقف کے

حق کی رعایت ہوئی، کہ اگر تعمیر نہ ہوتی؛ تو منفعت بالکل فوت ہوجاتی اور سکونت باطل ہوجاتی اور جب یہ چیز حاصل ہوگئی، تو جس کے لیے حق سکنی ہے، اس کے حق کی بھی رعایت ضروری ہے؛ تاکہ اس کی حق تلفی نہ ہو، لہٰذا تعمیر کے معاً بعد "من له السكنى" کو دارِ موقوفہ واپس کردیا جائے گا اور مزید خوبصورتی اور ڈیکوریشن کی غرض سے اسے زیادہ دنوں تک کے لیے کرایہ پر نہیں چھوڑا جائے گا۔
مصنف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جس کے لیے سکنی ہے، تعمیر اسی کے ذمے ہے، معلوم ہوا کہ اگر واقف نے کسی کے لیے دارِ موقوفہ کی آمدنی شرط کی ہو، تو ان پر مکان کی مرمت لازم نہیں؛ اس لیے کہ اس کے لیے سکنی نہیں، لیکن اگر وہی شخص جس کے لیے واقف نے آمدنی شرط کی ہے، اس مکان میں سکونت اختیار کرے، تو کیا اس پر کرایہ لازم ہوگا، ظاہراً جواب یہ ہے کہ اس پر کرایہ لازم نہ ہو؛ اس لیے کہ اس پر کرایہ لازم کرنے کی صورت میں کچھ فائدہ نہیں؛ کیوں کہ اس مکان کی آمدنی تو اسی کے لیے وقف ہے، لہٰذا اس سے کرایہ لے کر پھر اسی کو واپس کرنا لازم آئے گا، جس کا کوئی فائدہ نہیں؛ مگر جب کبھی ایسی کوئی ایمرجنسی صورت پیش آجائے، کہ اس کی تعمیر بالکل ضروری ہوجائے، تو ایسی صورت میں متولی اس سے کرایہ لے گا؛ تاکہ مکان کی مرمت میں اسے صرف کیا جاسکے۔

وقف کے ملبوں کو کیسے استعمال کریں؟

وصَرَفَ نِقْضَه إلى عِمارته، إن احتاجَ، و إلا حَفِظَه ليُحتاجَ، ولايُقسم بين مستَحِقِّ الوقْفِ.

تَرجَمَة :اور (حاکم یا متولی) صرف کرے وقف کے ملبے کو اس کی عمارت پر اگر مرمت کی ضرورت ہو اور اگر فی الحال ضرورت نہ ہو، تو آئندہ کے لیے اسے محفوظ کرلے، وقف کے مستحقین کے درمیان اسے تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

شَرْح : وقف کی دکان یا مکان کے بوسیدہ ہونے کے سبب یا کسی اور وجہ سے، اس کی کوئی لکڑی ٹوٹ گئی یا کوئی اینٹ پتھر وغیرہ اپنی جگہ سے الگ ہوگئے، تو انھیں اسی عمارت میں دوبارہ

اصلاح کر کے لگا دیا جائے گا اور اگر بعینہٖ اسی ملبے کا لوٹانا متعذر رہو، تو اسے فروخت کر کے اس کی قیمت عمارت پر صرف کی جائے گی، یہ اس وقت ہے جب فی الحال مرمت کی ضرورت ہو اور اگر فی الحال مرمت کی ضرورت نہ ہو، تو اس ملبے کو محفوظ رکھا جائے گا؛ تاکہ آئندہ اگر کبھی ضرورت پیش آئے، تو داشتہ بکار آید۔ لیکن اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ اگر ملبے کو آئندہ کے لیے رکھا جائے گا، تو چور یا ظالم و جابر قسم کے لوگ اسے اٹھا لے جائیں گے، تو پھر ایسی صورت میں اس ملبے کو بیچ کر اس کی قیمت پس انداز کر لینی چاہیے، مذکورہ بالا تشریح سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ملبے کا استعمال بہر صورت شئ موقوف میں ہی ہوگا، موقوف علیہم کو ملبہ یا اس کی قیمت تقسیم کر کے نہیں دے دی جائے گی؛ اس لیے کہ ٹوٹن عین وقف کا جز ہے اور موقوف علیہم کا حق عین وقف میں نہیں؛ بل کہ اس کے منافع میں ہوتا ہے؛ اس لیے کہ عین میں یا اللہ کا حق ہے جیسے صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک یا پھر واقف کا حق ہے، جیسے حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک اور یہ تفصیل وقف کی تعریف کے تحت آچکی ہے اور وہاں اس بات کی نشاندہی بھی کردی گئی ہے، کہ صاحبین رحمہما اللہ نے جو تعریف کی ہے، وہی مفتیٰ بہ ہے اور اس کی رو سے شیءِ موقوف واقف کی ملک سے نکل کر اللہ کے ملک میں چلی جاتی ہے۔

فائدہ: ماقبل کی تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ منقوض (ملبے، ٹوٹن) کی بیع دو صورت میں جائز ہے:

(۱) جب بعینہٖ اس ملبے کو مرمت میں استعمال کرنا متعذر رہو جائے۔

(۲) اسی طرح آئندہ کے لیے اسے محفوظ رکھنے کی صورت میں جب اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہو۔

راستے کا کچھ حصہ مسجد میں لینا جائز ہے

جُعِلَ شيءٌ من الطريق مسجدًا، جاز كَعَكسِه، كماجَازَ جَعْلُ الطريقِ مسجدًا، لاعَكسُه

تَرجَمَة: راستے کے کچھ حصے کو اگر مسجد میں لے لیا جائے تو جائز ہے، جیسا کہ اس کے

برعکس جائز ہے، اسی طرح راستے کو مسجد بنا دینا جائز ہے؛ لیکن اس کے برعکس جائز نہیں۔

شَرْح: اگر نمازیوں کے لیے مسجد تنگ پڑ جائے اور راستے کے کچھ حصے کو مسجد میں لینے کی ضرورت پیش آجائے، تو ایسی صورت میں راستے کے کچھ حصے کو مسجد میں شامل کیا جا سکتا ہے؛ بشرطیکہ گذرنے والوں کو کوئی پریشانی نہ ہو، جس طرح کہ اگر اس کے برعکس لوگوں کے گذرنے کی ضرورت کے پیش نظر اگر مسجد کے کچھ حصے کو راستہ بنا دیا جائے اور اسے مسجد سے خارج کر کے لوگوں کی عام گذرگاہ بنا دیا جائے؛ تو اس کی بھی اجازت ہے؛ اس لیے کہ دونوں ہی مسلمانوں کے لیے ہیں؛ لہٰذا حسب موقع مسلمانوں کی ضرورت کے پیشِ نظر اس طرح کا تصرف کیا جا سکتا ہے۔ (عبارت کی تشریح مکمل ہوئی۔)

فائدہ: مصنف رحمہ اللہ نے جو مسئلہ بیان فرمایا ہے، اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اگر ضرورت کی وجہ سے مسجد کے بعض حصے کو راستہ بنا دیا جائے، تو وہ مسجد کے حکم سے نکل کر مکمل طریقہ سے راستہ ہو جائے گا اور ہر ایک کے لیے وہاں سے گزرنا درست ہوگا، یہی مسئلہ ''فتاویٰ تاتارخانیہ'' میں ''فتاویٰ عتابیہ'' کے حوالے سے اور ''تاتارخانیہ'' سے نقل کر کے ''شامی'' میں شیخ امام خواہرزادہ رحمہ اللہ سے منقول ہے۔

خواہرزادہ رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں:

إذا كان الطريق ضيقا والمسجد واسعا لايحتاجون إلى بعضه تجوز الزيادة في الطريق من المسجد لأن كلها للعامة.''[1]

اس کے برخلاف ''فتاوی تاتارخانیہ'' ہی میں ''فتاوی ابواللیث'' کے حوالے سے اور ''فتاوی تاتارخانیہ'' سے نقل کر کے ''شامی'' میں یہ مسئلہ مذکور ہے، کہ اگر لوگ مسجد کے بعض حصے کو مسلمانوں کے لیے راستہ بنا دیں، تو کہا گیا ہے کہ لوگوں کو اس بات کا اختیار نہیں اور یہی صحیح ہے۔

الفاظ یہ ہیں:

(۱) فتاوی تاتارخانیة :۸/۵۸-۱۵۹:رقم:۱۱۵۰۳

و إن أرادوا أن يجعلوا شيئا من المسجد طريقا للمسلمين فقد قيل ليس لهم ذالک و إنه صحيح."(۱)

مذکورہ بالا دونوں عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اس سلسلہ میں حضرات فقہائے کرام کی آراء مختلف ہیں۔

لیکن دونوں عبارتوں کو سامنے رکھ کر "فتاوی تاتارخانیہ" کے حاشیے میں حضرت علامہ مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی دامت فیوضہم (مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد) نے ایک ایسی عمدہ اور مدلل ومستند تحقیق پیش کی ہے، جس سے یہ اختلاف بالکل ختم ہوجاتا ہے اور مسئلے کی صورت بالکل نکھر کر سامنے آجاتی ہے اور اسی سے علامہ تمرتاشی رحمہ اللہ کی عبارت پر جو اشکال ہوسکتا تھا، وہ بھی رفع ہو جاتا ہے، حضرت والا کی بات کا خلاصہ پیش خدمت ہے، آپ فرماتے ہیں:

"خواہرزادہ رحمہ اللہ نے مسجد کے حصے کو راستے میں لینے کے جواز کی بات جو کہی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسجد کشادہ ہے، تو اس کے بعض حصے سے گزرنا جائز ہے، یہ مطلب نہیں کہ مسجد کا وہ بعض حصہ مسجد سے خارج ہوکر راستہ بن جائے گا؛ بل کہ وہ حصہ تو ہمیشہ مسجد ہی کا جز رہے گا، (اس لیے کہ مسجد "مسجدیت" سے کبھی بھی خارج نہیں ہوتی)؛ لہٰذا اس حصہ سے حائضہ، نفساء، جنبی وچوپائے کے علاوہ، تمام مسلمانوں اور کافروں کو گزرنے کی اجازت دی جائے گی، حضرت والا نے خواہرزادہ کے قول کا یہ مطلب بیان کرنے کے بعد فقہ کی متعدد اور معتبر کتاب مثلاً: "**مجمع الأنهر**"، "**تبيين الحقائق**"، "**حاشية الطحطاوي على الدر**" "**الشامي**"، "**البحر الرائق**" وغیرہ کا مکمل حوالہ پیش فرما کر اسی بات کو ثابت کیا ہے، کہ مسجد کے بعض حصے کو مسجد سے خارج کرکے راستہ نہیں بنادیا جائے گا؛ بل کہ اس بعض حصے کو مسجد کا جز برقرار رکھتے

(۱) **فتاوی تاتارخانية**:۸/۱۵۸:رقم:۱۱۵۰۱، ط:زکریا، دیوبند

ہوئے صرف اس سے گزرنے کی اجازت دے دی جائے گی۔"

اخیر میں حضرت نے یہ خلاصہ بھی پیش فرمایا کہ

"خواہرزادہ کے مقابلے میں مسئلۂ "فتاوی ابواللیث" ہی زیادہ صحیح ہے یعنی مسجد کے بعض حصہ کو راستہ بنانے کا عدم جواز۔"

اور مزید آپ نے اخیر میں حضرت تھانوی، حضرت گنگوہی، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی، حضرت مفتی شفیع صاحب دیوبندی ثم پاکستانی رحمہم اللہ؛ ان تمام کی متفقہ رائے پیش فرمائی ہے، کہ مسجد کے کسی حصہ کو مسجد سے خارج نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی کل مسجد یا اس کے بعض حصے کو دوسری جگہ سے بدلا جائے گا۔ (۱)

حضرت والا نے خواہر زادہ کے قول کا جو مطلب بیان فرمایا ہے، خود علامہ حصکفی رحمہ اللہ نے بھی "درِمختار" میں علامہ تمرتاشی رحمہ اللہ کے قول کی شرح، کچھ اسی طرح فرمائی ہے، چناں چہ فرماتے ہیں:

" و هو (أي جعل شيء من المسجد طريقا) ما إذا جعل في مسجد ممر لتعارف أهل الأمصار في الجوامع جاز لكل أحد أن يمر فيه حتى الكافر إلا الجنب، و الحائض، و الدواب."

نیز خود مصنف رحمہ اللہ کی عبارت "**كما جاز جعل الطريق مسجداً لا عكسه**" میں بھی غور کرنے سے اسی مطلب کی تائید ہوتی ہے، وہ اس طرح کہ "**لاعكسه**" کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

(۱) پوری مسجد کو بالکلیہ مسجد کے حکم سے نکال کر راستہ بنا دینے کا عدم جواز۔

(۲) مسجد کو مسجد کے حکم میں باقی رکھتے ہوئے پوری مسجد سے ضرورت کے بنا پر گزرنے کی اجازت دینا۔

پہلا معنی مراد لینے کی صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر پوری مسجد کو مسجد کے حکم سے نکال کر راستہ بنا دینا جائز کیوں نہیں؟

---

(۱) فتاوی تاتارخانية: ۸/ ۱۵۸-۱۵۹: رقم: ۱۱۵۰۳، ط: زکریا، دیوبند

ظاہر ہے اس سوال کا جواب یہی ہوسکتا ہے، کہ جس جگہ مسجد بن جاتی ہے، وہ جگہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہو جاتی ہے، عمارت ہو یا نہ ہو، جیسا کہ شامی رحمہ اللہ میں اس کی صراحت موجود ہے:

''المسجدلایخرج عن المسجدیة أبداً۔''(۱)

لہٰذا اسے مسجد کے حکم سے نکال کر راستے کے حکم میں شامل نہیں کیا جا سکتا، اس جواب پر پھر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے، کہ اس قول کے مطابق تو پھر مسجد کے بعض حصے کو بھی مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا؟ کیوں کہ جزئیہ تو عام ہے، نہ ہی بعض حصہ خارج ہوسکتا ہے، نہ ہی کل، جب کہ آپ بعض حصے کو خارج کر رہے ہیں۔

اس اعتراضِ برحق سے بچنے کے لیے لا محالہ ہمیں دوسرا معنی مراد لینا ہوگا، کہ عبارت: ''لاعکسه'' کا مطلب پوری مسجد کو گزر گاہ بنانے کا عدم جواز ہے۔ یہ معنی مراد لینے میں کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں ہوتا؛ اس لیے کہ پہلی عبارت ''جعل شيء من الطریق مسجداً جاز کعکسه'' میں عبارت میں بعض حصے سے بغرض ضرورت گزرنے کی اجازت دی گئی ہے اور جب بعض حصہ سے گزرنے کی اجازت دے دی گئی، تو اب ضرورت منتفي ہوگئی؛ لہٰذا اب پوری مسجد کو گزر گاہ بنانے کی ضرورت باقی نہ رہی؛ اس لیے دوسری عبارت ''کما جاز جعل الطریق مسجداً لاعکسه'' میں پورے راستے کو مسجد بنانا جائز اور پوری مسجد کو گزر گاہ بنانا ناجائز قرار دیا گیا؛ لہٰذا پہلی عبارت اور دوسری عبارت کے مفہوم میں کوئی تعارض باقی نہ رہا۔

خلاصۂ کلام: مصنف کی عبارت ''کعکسه'' میں راستے کے بعض حصے کو ضرورت کی بنا پر گزر گاہ بنانے کی اجازت اور ''لاعکسه'' میں پورے راستے گزر گاہ بنانے کی ممانعت مذکور ہے؛ وجہ ظاہر ہے کہ جب بعض حصہ سے ضرورت پوری ہوئی، تو پوری مسجد کو گزر گاہ بنانے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ فقط، والله اعلم وعلمه أتم وأکمل.

سلطانِ وقت کو اس بات کی بھی اجازت ہے، کہ وہ پورے راستے کو مسجد بنا دے؛ لیکن اس کے

(۱) شامی:٦/٥٧٦: ط: زکریا، دیوبند

برعکس پوری مسجد کوراستہ بنانے کی اجازت نہیں، عبارت "**کما جاز جعل الطریق مسجدا لاعکسه**" پرایک اشکال ہوتا ہے، وہ یہ کہ پورے راستے کومسجد بنانا کیسے درست ہوگا؟ لوگ کہاں سے گزریں گے گزرنے والوں کو پریشانی ہوگی اور یہ بات پہلے ہی آچکی ہے، کہ راستے کے بعض حصے کوبھی مسجد میں شامل کرنا، اس شرط کے ساتھ درست ہے کہ گزرنے والوں کو پریشانی نہ ہو، لہٰذا جب بعض کے سلسلے میں یہ حکم ہے، تو کل کوشامل کرنا کیسے درست ہوگا؟ اس کا ایک جواب یہ دیا گیاہے، کہ عبارت میں مراد، تو پورے راستے کومسجد بنادینا ہے؛ لیکن عدم ضرر کی قید کے ساتھ، پھر اس جواب پراشکال ہوتا ہے کہ جب پورے راستے کومسجد میں لے لیں گے، تو ضرر ایسی صورت میں یقینی ہے کہ عمومی گذرگاہ ختم ہوجائے گی، لہٰذا حائضہ، نفساء، جنبی، چوپائے وغیرہ کے گذرنے کی جگہ ہی نہ رہ جائے گی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس صورت پر محمول ہے، جب کسی جگہ تک پہنچنے کے دو راستے ہوں اور لوگوں کونماز پڑھنے کے لیے مسجد کی ضرورت ہواور مسجد بنانے کے لیے کوئی جگہ نہ ہو؛ تو ایسی صورت میں ان دوراستوں میں سے ایک راستے کومسجد بنادیا جائے یعنی اس راستے پر مسجد تعمیر کردی جائے تو ایسا کرنا درست ہے اور اس صورت میں لوگوں کے حق کو بالکلیہ باطل کرنا لازم نہیں آئے گا(۱)؛ اس لیے کہ دوسرے راستے کوعام گذرگاہ بنادیں گے اور لوگ وہاں سے گذریں گے۔

راستے کومسجد بنانا جائز اور اس کے برعکس مسجد کوراستہ بنانا ناجائز؛ اس لیے ہے کہ راستے کومسجد بنانا، ایک ضرورت کی وجہ سے ہے اور ضرورت یہ ہے کہ جب مسجد نمازیوں کے لیے ناکافی ہوگی، تو وہ مسجد کے باہر راستے میں نماز پڑھیں گے اور راستے میں نماز پڑھنا جائز نہیں؛ اس لیے ضرورت اس بات کی داعی ہوئی کہ راستے کومسجد بنادیا جائے اور مسجد میں توسیع کردی جائے، تاکہ سارے لوگ مسجد کے اندر نماز پڑھ سکیں، لیکن اس کے برخلاف مسجد کوراستہ بنانا؛ اس لیے ناجائز ہے کہ جہاں مسجد بن جاتی ہے، ہمیشہ کے لیے وہ جگہ مسجد ہوجاتی ہے، وہ مسجد کے حکم سے کبھی بھی نہیں نکل سکتی، مسجد کے مسجد باقی رہنے کے لیے عمارت بھی ضروری نہیں؛ بل کہ اگر عمارت منہدم ہوگئی، تو بھی وہ جگہ مسجد ہی

(۱) شامی: ۶/ ۵۷۵ ط: زکریا: دیوبند– حاشیة الطحطاوي علی الدر: ۲/ ۵۴۳

رہے گی:" المسجد لایخرج عن المسجدیة أبداً"؛ لہٰذا اگر مسجد کو راستہ بنادیں گے، تو بھی اس کی مسجدیت ختم نہ ہوگی، پس ایسی صورت میں ہر ایک کا مسجد میں مرور لازم آئے گا اور مسجد کے اندر لوگوں کی عام گذرگاہ ہوجائے گی، جو شرعاً درست نہیں۔

ماقبل میں بعض حصے سے جو گزرنے کی اجازت دی گئی ہے، وہ مجبوری کے وقت ہے، اس میں بھی حائضہ نفساء جنبی چوپائے کا استثناء کیا گیا ہے؛ کیوں کہ اگرچہ گزرنے کی اجازت دے دی گئی ہے؛ مگر مسجد کے حکم سے خارج کرکے نہیں؛ بل کہ صرف مرور کی حد تک مسجد کی حرمت ساقط ہے، اس حصے سے مسجد کے تمام احکام ساقط نہیں اس وجہ سے جنبی وغیرہ کا استثناء کیا گیا ہے۔

بوقت ضرورت مسجد کے آس پاس کی زمین زبردستی لی جاسکتی ہے

تُؤخذُ أرضٌ بِجَنْبِ مسجدٍ ضَاق علی الناسِ بالقیمةِ کُرهًا

تَرجَمَة: مسجد کے پاس کی زمین مسجد کے لوگوں کے لیے ناکافی ہونے کی صورت میں بذریعہ قیمت زبردستی لی جائے گی۔

شَرح: ایک مسجد ہے جو نمازیوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے لوگوں پر تنگ پڑ رہی ہے، اس میں توسیع کی ضرورت ہے اور مسجد کے آس پاس کسی کی زمین یا گھر دکان وغیرہ ہے تو اسے مسجد کی توسیع کے ارادے سے قیمتاً لے لیا جائے گا اور اگر مالکان بطیّب نفس تیار نہ ہوں تو یہ چیزیں ان سے زبردستی لی جائے گی، اسی طرح اگر مسجد کے آس پاس کی زمین یا دکان گھر وغیرہ مسجد پر ہی وقف ہو تو قاضی کی اجازت سے اسے بھی لے لیا جائے گا اور مسجد میں توسیع کردی جائے گی، اسی طرح اگر مسجد کے اردگرد کی زمین وغیرہ کسی دوسرے مصرف میں وقف ہو اور مسجد کو تنگی کے سبب اس کی ضرورت ہو تو اس صورت میں بھی مذکورہ زمین وغیرہ کو مسجد کی توسیع کے لئے استعمال میں لانا جائز ہے، اس لئے کہ مسجد بھی اللہ کا حق ہے اور وقف بھی اللہ کا حق ہے، لہٰذا ایک کو دوسرے میں استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں، قیمت کے ذریعے زبردستی زمین لینے کی دلیل یہ ہے کہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسجدِ

حرام کی توسیع کے لیے دوسرے صحابہ کی اراضی عدم رضامندی کی صورت میں بھی لی ہے اور مسجد حرام کی توسیع کی ہے، اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ زبردستی زمین وغیرہ لینا مطلقاً جائز نہیں؛ بل کہ یہ اس وقت ہے جب شہر میں اس ایک مسجد کے علاوہ کوئی دوسری مسجد نہ ہو اور اگر دوسرے محلے میں کوئی اور مسجد ہے تو پھر ایسی صورت میں زبردستی زمین نہیں لی جائے گی؛ بل کہ لوگ اس دوسرے محلے میں جاکر نماز میں شریک ہوں گے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ایسی صورت میں لوگوں کے دور دور جاکر پانچ نماز پڑھنے میں دشواری ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ پریشانی اور حرج اس سے کم ہے کہ کسی کی زمین اس سے زبردستی لی جائے اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے کہ انھوں نے مسجد حرام کی توسیع کے لئے جو اراضی لی تھیں وہ اس لئے کہ مکہ مکرمہ میں اس وقت مسجد حرام کے علاوہ دوسری کوئی مسجد نہیں تھی۔ (۱)

واقف وقف کی ولایت اپنے پاس رکھ سکتا ہے

جَعَلَ الوِلايةَ لنفسِه جَاز، ويُنزَعُ لو غيرَمأمونٍ ،وإن شَرَطَ عَدَمَ نزعِه

تَرجَمَة :واقف نے وقف کی تولیت اپنے لیے مقرر کی تو اسے اس کی اجازت ہے اور اگر واقف قابل اطمینان نہ ہو تو ولایت اس سے سلب کر لی جائے گی، اگر چہ اس نے عدم سلب کی شرط لگادی ہو۔

شَرح :ایک شخص نے کوئی زمین یا دکان وقف کی اور اس کی تولیت کو اپنے لیے شرط ٹھہرائی کہ اس کا متولی میں ہی رہوں گا تو یہ شرط معتبر ہوگی اس لیے کہ وقف کے سلسلے میں واقف کی شرط نص شارع کی طرح ہے، یعنی جس طرح نص شارع پر عمل واجب وضروری ہے اسی طرح واقف کی شرط واجب الرعایت ہے اور اس کی شرط کے مطابق عمل ضروری ہے۔ لہٰذا متولی وہی رہے گا بالاجماع۔

(۱) شامی:۶/ ۵۷۷،ط: زکریا، دیوبند

''اجماع'' کی قید سے ایک اشکال ہوتا ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک تسلیم شرط ہے، صحت وقف کے لیے اور جب شيءِ موقوف خود واقف کی تولیت میں رہ گئی تو تسلیم مفقود ہوگئی اور بصورت ہذا وقف صحیح نہیں؛ لہٰذا اجماع کا دعوی کیوں کر صحیح ہوگا؟ جواب یہ کہ واقف کی ولایت تسلیم کے منافی نہیں؛ اس لیے کہ یہ ممکن ہے کہ واقف پہلے کسی کو شيء موقوف سپرد کر دے پھر بعد میں اس سے اپنی تولیت میں لے لے اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ واقف کی تولیت کی صورت میں تسلیم شرط نہ ہو۔

اور اگر واقف نے کسی کے تولیت کی شرط نہیں لگائی تو اس صورت میں بھی ولایت کا حق واقف کو ہی ہوگا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اور یہی ظاہر مذہب ہے مگر صاحب تنویر اپنی شرح ''**منح الغفار**'' میں فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں وقف صحیح نہ ہوگا اور امام محمدؒ کا قول ہی مفتی بہ ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک چوں کہ وقف صحیح ہے؛ اس لیے ولایت خود واقف کو حاصل ہوگی پھر اس کے بعد اس کے وصی کو اور اگر وصی نہیں ہے تو حاکم کو، لیکن واقف ہی متولی رہے گا، اسی طرح حق تولیت اسی کو حاصل ہے، یہ اس وقت جب واقف قابل اطمینان ہو اور اس کے ذریعے سے وقف کے مقاصد حاصل ہو رہے ہوں، اس کے برخلاف اگر واقف نا قابل اطمینان ہو یا عاجز ہو یا اس سے فسق وفجور کا ظہور ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں اسے لازماً تولیت سے برطرف کر دیا جائے گا اگر چہ اس نے ابتدا میں برطرف نہ کئے جانے کی شرط لگا دی ہو یا یہ کہ اگر اسے برطرف نہیں کیا جائے تو کم سے کم اس کے ساتھ کسی دوسرے قابل اطمینان آدمی کو بھی متولی بنا دیا جائے تا کہ واقف وقف کے مال کو غلط طریقے پر استعمال نہ کر سکے اور وقف کے فائدے کا کام کرے، اس لیے کہ متولی تو امین، قادر، اور متقی ہونا چاہئے، کیوں کہ تولیت تو مقید ہے وقف کی خیر خواہی کے ساتھ اور جب متولی خائن ہوگا تو مقصود وقف کہاں حاصل ہوگا۔ حاصل یہ کہ متولی امین ہونا چاہیے اور اس میں عورت مرد، بینا نابینا، محدود فی القذف جب کہ توبہ کر لیا ہو سب برابر ہیں، اگر یہ سب امین ہیں تو انہیں تولیت سپرد کی جا سکتی ہے، ماقبل کی وضاحت سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر واقف کے علاوہ کوئی اور متولی ہے اور وہ نا قابل اطمینان ہے خائن ہے تو اسے بدرجۂ اولیٰ برطرف کر دیا جائے گا۔

بغیر عذر قاضی واقف کے مقرر کردہ متولی کو معزول نہیں کرسکتا

فائدہ: واقف نے کسی شخص کو شئ موقوف کا متولی بنایا قاضی اسے بغیر کسی خیانت کے ظہور کے تولیت سے معزول کرنا چاہتا ہے اور اس کی جگہ کسی دوسرے کو متولی مقرر کرنا چاہتا ہے تو قاضی کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں اور دوسرے شخص کے لیے تولیت صحیح نہ ہوگی اور اگر متولی واقف کی طرف سے مقرر کردہ نہیں ہے تو پھر اسے قاضی بغیر کسی وجہ کے بھی معزول کرسکتا ہے اور دوسرے کو تولیت سپرد کرسکتا ہے اور خود واقف کو متولی کا معزول کرنا مطلقاً جائز ہے، چاہے خیانت کا ظہور ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، یہی قول مفتی بہ ہے، ہاں اگر واقف نے متولی مقرر نہیں کیا بلکہ قاضی نے کیا تو اب واقف کو یہ حق نہیں کہ وہ متولی کو معزول کرے۔

مُلاحظہ: ماقبل میں یہ بات آچکی ہے کہ وقف کے سلسلے میں واقف کی شرط کا اعتبار بالکل نص شارع کی طرح ہے جس طرح نصوص پر عمل ضروری ہے اسی طرح واقف کی شرط پر عمل ضروری ہے، مخالفت کسی طرح جائز نہیں، مگر مذکورہ بالا مسئلے میں جب کہ وہ صحیح طور پر وقف کی نگرانی نہ کر پا رہا ہو اور وقف کے بارے میں وہ ناقابل اطمینان ہو، تو اسے برطرف کردیا جائے گا اگرچہ اس نے برطرف نہ کیے جانے کی شرط لگائی ہو، یہاں اس کی شرط کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور یہ ان سات مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے جس میں واقف کی شرط کا اعتبار نہیں، اور وہ سات مسائل یہ ہیں:

(۱) متن میں ذکر کردہ مسئلہ۔

(۲) یہ شرط لگائی کہ قاضی متولی کو معزول نہیں کرے گا تو اس صورت میں اگر متولی نااہل ہے تو قاضی اسے معزول کرسکتا ہے اس کی شرط کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

(۳) یہ شرط لگائی کہ شیءِ موقوف کو ایک سال سے زیادہ مدت تک کے لیے اجرت پر نہیں دیا جائے گا، جب کہ لوگ ایک سال کے لیے لینے پر راضی نہیں یا یہ کہ ایک سال سے زیادہ مدت تک کرائے پر دینے پر فقراء، مساکین کا زیادہ فائدہ ہے، تو قاضی واقف کی شرط کی مخالفت کرسکتا ہے، نہ کہ متولی۔

(۴) یہ شرط لگائی کہ میں (مثال کے طور پر) اپنی یہ دکان فلاں مدرسے پر وقف کرتا ہوں اس شرط پر کہ وہاں کے پڑھنے پڑھانے والے میری قبر پر قرآن شریف پڑھیں گے؛ تو اس شرط کا ان لوگوں کے نزدیک اعتبار نہ ہوگا جو قبر پر قرآن پڑھنے پڑھانے کے کراہت کے قائل ہیں؛ البتہ جو حضرات جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس شرط کا اعتبار ہوگا اور یہی قول مختار ہے۔

(۵) یہ شرط لگائی کہ وقف کی فاضل آمدنی ان لوگوں پر خرچ کی جائے گی جو فلاں مسجد میں سوال کرتے (بھیک مانگتے) ہیں تو اس شرط کا اعتبار نہیں، متولی کو اختیار ہے وہ اس مسجد کے سائل کے علاوہ دوسری مسجد کے سائل کو بھی دے سکتا ہے، اسی طرح خارج مسجد جو سائل ہیں، ان کو بھی دے سکتا ہے، بلکہ غیر سائل کو بھی دے سکتا ہے جو ضرورت مند ہوں۔

(٦) یہ شرط لگائی کہ مثال کے طور پر وقف کی آمدنی سے مستحقین کو روزانہ گوشت روٹی دینی ہے تو متولی عین گوشت روٹی کی جگہ ان کو اس کی قیمت بھی دے سکتا ہے اور ایک دوسری روایت یہ ہے کہ متولی کو اختیار نہیں؛ بل کہ مستحقین کو اختیار ہے چاہیں، تو نقد پیسے لے لیں، یا پھر معینہ گوشت روٹی لے لیں۔

(۷) واقف نے امام کی جو تنخواہ مقرر کی تھی اگر وہ ان کے لیے ناکافی ہو رہی ہے اور امام صاحب عالم متقی پرہیزگار آدمی ہیں تو قاضی ان کی تنخواہ میں اضافہ کر سکتا ہے۔

علامہ بیری رحمہ اللہ نے دو جگہ کا اور اضافہ فرمایا ہے:

(۱) واقف نے مثال کے طور پر یہ شرط لگائی کہ پندرہ سو روپئے سے زیادہ پر کرایہ میں مکان نہیں دیا جائے گا جب کہ اجرت مثل دو ہزار روپیہ ہے، تو ایسی صورت میں واقف کی شرط کا اعتبار نہیں۔

(۲) اسی طرح یہ شرط لگائی کہ عہدہ دار قسم کے لوگوں کو کرائے پر مکان نہ دیا جائے، مگر متولی نے اجرتِ معجلہ پر کرائے پر دے دیا تو درست ہے، کیوں کہ جس چیز کا خطرہ تھا، وہ ٹل گیا، خطرہ یہ تھا کہ ایسے لوگ کرائے پر لے لیں گے اور پھر بعد میں پیسے نہ دیں گے اور ان سے مزاحمت بھی دشوار ہے، مگر جب متولی نے نقد پیسے وصول کر لیے تو یہ خطرہ باقی نہ رہا، لہٰذا یہاں بھی واقف کی شرط کی رعایت ضروری نہیں، اور دوسرے بعض لوگوں نے گیارہ مقامات تک کا تذکرہ کیا ہے، جہاں واقف کی شرط کا

اعتبار نہیں[1]۔ واللہ تعالیٰ أعلم وعلمه وأتم وأکمل۔

واقف کا وقف کی آمدنی اپنے لیے مقرر کرنا

وَجَازَ جَعْلُ غَلّةِ الوقفِ لنفسِه عند الثَّاني

تَرجَمَة:اور(واقف کے لئے) جائز ہے وقف کی آمدنی اپنے لیے مقرر کرنا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک۔

شَرْح:ایک شخص نے کوئی چیز وقف کی اور اس سے حاصل ہونے والی کل یا بعض آمدنی کو اپنے لیے شرط ٹھہرایا کہ جب تک میں زندہ ہوں اس کی پوری یا بعض آمدنی میں لوں گا اور میرے مرنے کے بعد فقراء کے لیے ہے تو حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ واقف کا یہ شرط لگانا درست ہے اور اس طرح وقف صحیح ہو جائے گا اور یہی قول مفتی بہ ہے، ان کے برخلاف حضرت امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ واقف کے لئے یہ شرط لگانا درست نہیں، اسی اختلاف پر یہ صورت بھی مبنی ہوگی کہ اگر کسی نے اپنے غلام یا باندی پر حاصلات وقف کو شرط ٹھہرایا تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ناجائز ہے، اس لیے کہ غلام باندی میں مالک بننے کی صلاحیت نہیں، ان کی چیز آقا کی ملک ہے، لہٰذا ایسا ہوا گویا واقف نے اپنے ہی لیے آمدنی کی شرط لگائی، لیکن اگر واقف نے اپنے مدبر یا ام ولد کے لیے آمدنی شرط ٹھہرائی تو بالاتفاق صحیح ہے اس لیے کہ آقا (واقف) کی موت کے بعد اس کی آزادی ثابت ہے، لہٰذا یہ اجانب پر وقف کے مانند ہو گیا، حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ اپنے اس قول کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ وقف کی آمدنی کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال معروف طریقے پر استعمال کرتے تھے اور یہ شرط مقرر کیے بغیر ممکن نہیں اس لیے کہ بغیر شرط مقرر کیے وقف کی آمدنی کا استعمال درست نہیں۔

مُلاحَظة:وقف کے سلسلے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا نظریہ یہ ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ

(۱) شامی:٦/ ٥٨٨، ط:زکریا، دیوبند

عام کیا جانا چاہیے، اسی لیے آپ رحمہ اللہ حتی الامکان جواز کی بات فرماتے ہیں؛ تاکہ وقف کے سلسلے میں لوگوں کا میلان خوب ہو جس کے نتیجے میں وقف کا زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو۔

وقف کا استبدال اور اس کی بیع درست ہے؟

وجَازَ شَرْطُ الاستبدالِ به أرضًا أُخرىٰ، أو بيعُه، ويشْتريْ بثمنه أرضًا أُخرىٰ، إذا شَاءَ ؛ فإذا فَعَل صارتِ الثانيةُ كالأُولىٰ، في شرائطِها، و إن لم يَذكُرْها، ثم لَايَسْتبَدِ لُها.

تَرْجَمَة :اور وقف (کی زمین) کا دوسری زمین سے بدل دینے کی شرط لگانا یا اس کے بیچنے کی شرط لگانا واقف جب چاہے، اور اس کے ثمن سے دوسری زمین خریدے گا جب واقف ایسا کرلے گا تو دوسری زمین پہلی زمین کے مانند ہوگی اس (پہلی زمین) کی شرائط میں اگرچہ واقف ان شرائط کا تذکرہ نہ کرے پھر اس کے بعد دوسری زمین کو بدلنے کا اسے حق نہیں۔

شَرْح :صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے مثال کے طور پر اپنی زمین وقف کی اور بوقت وقف یہ شرط لگائی کہ مجھے یا میرے فلاں بھائی کو یا ہم دونوں کو اس زمین کے بدلے میں دوسری زمین وقف کرنے کا حق ہوگا اور پہلی زمین کو ہم اپنی ملک میں واپس لے سکتے ہیں تو اس شرط کے بموجب صحیح قول کے مطابق ایک زمین کو دوسری زمین سے بدلنا جائز ہے؛ بل کہ بعض لوگوں نے تو اتفاق کا قول نقل کیا ہے، یہی مسئلہ بیچنے کی شرط میں بھی ہے کہ اگر واقف نے یہ شرط لگا دی کہ وہ جب چاہے گا اسے بیچ سکتا ہے تو اس کی شرط کا اعتبار ہوگا اور بیچنے کے بعد اس کے ثمن سے دوسری زمین خریدے گا اور جب واقف ایسا کرلے یعنی ایک زمین کو دوسری زمین سے بدل دے یا یہ کہ ایک کو بیچ کر دوسری خرید لے تو دوسری زمین وقف کی شرائط کے اعتبار سے بالکل پہلی زمین کی طرح ہو جائے گی، یعنی وقف کی جو شرطیں پہلی زمین میں تھیں وہ دوسری میں بھی ملحوظ ہوں گی اگرچہ واقف نے دوسری زمین میں ان شرائط کا تذکرہ نہ کیا ہو، تبدیلی کا یہ سلسلہ آگے جاری نہیں رہے گا یعنی واقف صرف پہلی زمین کو دوسری

زمین سے بدل سکتا ہے یا پہلی کو بیچ کر دوسری خرید سکتا ہے، لیکن اس کے بعد دوسری کو تیسری سے بدلنا اسی طرح دوسری کو بیچ کر تیسری خریدنا واقف کے اختیار میں نہیں، کیوں کہ استبدال کا حق ثابت ہوا تھا شرط کی وجہ سے اور شرط پہلی زمین میں تھی نہ کہ دوسری میں۔ (عبارت کی تشریح پوری ہوئی)

استبدال وقف کی دو صورت اور بھی ہے، ایک یہ کہ واقف نے بوقت وقف عدم استبدال کی شرط لگا دی ہو یا یہ کہ استبدال اور عدم استبدال کسی کی کوئی شرط نہ لگائی ہو بلکہ وقف کے وقت خاموش رہا ہو، لیکن اب شئ موقوف کسی وجہ سے لائق انتفاع نہ رہی اس طریقے پر کہ اس سے کچھ آمدنی حاصل نہیں ہوتی، یا یہ کہ تھوڑی بہت ہوتی ہے جس سے موقوف علیہ کی ضرورت پوری نہیں ہوتی تو اصح قول کے مطابق قاضی کی اجازت سے اسے بھی بدلنا اور بیچنا جائز ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ واقف نے عند الوقف استبدال کی شرط نہ لگائی لیکن بدلنے میں کسی قدر فائدہ ہے اور مبدل منہ کا نفع قدرے زیادہ ہے تو ایسی صورت میں اصح اور مختار قول یہ ہے کہ استبدال درست نہیں۔ (۱)

عبارت کی صحیح ترتیب

فائدہ: صاحبِ ''تنویر'' نے اپنی عبارت: ''**وجاز شرط الاستبدال به أرضًا أخرى أو بيعه ويشتري بثمنه أرضًا أخرى إذا شاء**'' میں لفظ ''**إذا شاء**'' کو ''**ويشتري بثمنه أرضًا أخرى**'' کے بعد ذکر فرمایا ہے، جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ ''**إذا شاء**'' کا تعلق ''**ويشتري بثمنه أرضًا أخرى**'' سے ہے، جب کہ حقیقتاً اس کا تعلق ''**أو بيعه**'' سے ہے؛ ورنہ تو عبارت کا مفہوم صحیح نہ ہوگا؛ اس لیے کہ وقف کی زمین کو بیچنے کے بعد واقف پر دوسری زمین اس کے بدلے خریدنا ضروری ہے، یہ چیز اس کی مشیت پر معلق نہیں، اور ''**ويشتري بثمنه الخ**'' سے متعلق ماننے میں عبارت کا مطلب یہی ہوتا ہے جو کہ درست نہیں، اصل عبارت اس طرح ہے: ''**وجاز شرط الاستبدال به أرضًا أخرى أو بيعه إذا شاء**'' اسی لیے ترجمے میں عبارت کی اس نزاکت کا خیال کیا گیا ہے۔

---

(۱) شامی: ٦/ ٤٥٧، ط: زکریا، دیوبند

والحمد للہ رب العالمین۔

واقف کی شرط کے بغیر قاضی کے علاوہ کسی اورکو استبدالِ وقف کی اجازت ہے؟

و أمّا بِدُون الشرطِ؛ فلا يَملِكُه ،إلا القَاضِي

تَرجَمَة : واقف کی شرط کے بغیر وقف کی زمین کے بدلنے کا حق قاضی کے علاوہ کسی کو نہیں۔

شَرح : ماقبل کی عبارت میں یہ بات آئی کہ اگر واقف نے بوقت وقف استبدال کی شرط لگا دی، تو اس کی شرط کا اعتبار ہوگا اس عبارت میں مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر واقف نے استبدال کی شرط نہیں لگائی تو ایسی صورت میں قاضی کے علاوہ کسی اورکو استبدال یا بیع کا حق نہیں، اگر چہ استبدال مساکین کے فائدے کے پیش نظر ہو؛ مگر قاضی کو بھی استبدال یا بیع کا حق پانچ شرطوں کے ساتھ ہے:

(۱) شیءِ موقوف کسی بھی طرح قابل انتفاع نہ رہ جائے۔

(۲) زمین کو زمین ہی سے بدلے۔

(۳) قاضی خود صاحب علم وعمل ہو۔

(۴) اتنی آمدنی باقی نہ رہ پاتی ہو جس سے وقف کی مرمت ہو سکے۔

(۵) بیع میں غبن فاحش نہ ہو۔

فائدہ: واقف نے اگر عدم استبدال کی شرط لگائی ہے جب کہ تبدیلی وقف کی سخت ضرورت ہے، تو ایسی صورت میں قاضی کو استبدال کا حق ہے اور واقف کی عدم استبدال کی شرط کا اعتبار نہیں کیا جائے گا وقف کے فائدے کے پیش نظر کیوں کہ واقف کی شرط کا لحاظ وقف کے فائدے کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی کیا جاتا ہے اس لیے کہ وقف کے سلسلے میں خیر خواہی زیادہ واقف کے اندر ہی ہوتی ہے کہ ہمیشہ اس کی آمدنی آتی رہے اور مصرف میں صرف ہوتی رہے، لہٰذا ایسی صورت میں حقیقتاً واقف کے منشاء کے مطابق ہی عمل ہوا۔

زمین کے بغیر صرف عمارت کا وقف جائز ہے؟

بَنیٰ علٰی أرضٍ، ثم وقَفَ البناءَ بدونِها إن الأرضُ مملوكةٌ لایَصِحُّ ،وقِیل صَحَّ، وعلیه الفتویٰ ،وإنْ موقوفةٌ علی ما عیَّن البناءَ له جازَ إجماعاً ،وإنْ لجهةٍ أُخریٰ ؛ فمُختَلَفٌ فیه.

تَرجَمَة :ایک شخص نے ایک زمین میں عمارت بنوا کر زمین کے بغیر (مستقلاً) صرف عمارت کو وقف کر دیا تو وہ زمین اگر مملوکہ ہے تو وقف صحیح نہ ہوگا ایک دوسرا قول یہ ہے کہ وقف صحیح ہو جائے گا اور اسی پر فتوی ہے، اور اگر زمین اسی جہت پر وقف ہے جس کے واسطے عمارت وقف ہوئی تو بالاتفاق جائز ہے اور اگر زمین دوسری جہت پر وقف ہو تو یہ صورت مختلف فیہ ہے۔

شَرح :ایک شخص نے اپنی مملوکہ یا غیر کی مملوکہ زمین میں ایک عمارت بنوائی پھر اس عمارت کو زمین کے بغیر مستقلاً وقف کر دیا، مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس زمین میں عمارت بنائی گئی ہے اگر وہ غیر کی مملوک ہے یا واقف کی مملوک ہے لیکن وہ زمین کو وقف نہیں کر رہا ہے صرف اس میں تعمیر شدہ عمارت کو وقف کر رہا ہے تو عمارت کا وقف صحیح نہ ہوگا اور اکثر لوگوں کی یہی رائے ہے، لیکن بعض دوسرے لوگوں کی رائے یہ ہے کہ عمارت کا وقف صحیح ہو جائے گا اور اسی دوسرے قول پر فتویٰ ہے، قاری الہدایہ رحمہ اللہ سے اس عمارت اور باغ کے متعلق سوال کیا گیا، جسے زمین کے بغیر وقف کر دیا گیا کہ زمین کے بغیر مستقلاً صرف ان کا وقف درست ہوگا، تو اُنھوں نے جواب دیا کہ فتویٰ ان کے وقف کے صحیح ہونے پر ہے۔اور شارحِ ''وھبانیہ'' نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے اور مصنف علامہ تمرتاشی رحمہ اللہ نے بھی اس کو برقرار رکھا ہے اور علت یہ بیان کی ہے کہ یہ ایسے منقول کا وقف ہے جس میں لوگوں کا تعامل ہے، لہٰذا اس کے جواز کا فتویٰ دینا متعین ہوگیا۔اسی مسئلے میں ایک دوسری شکل یہ ہے کہ جس زمین میں عمارت بنائی گئی ہے وہ زمین اگر اسی جہت میں وقف ہے جس میں واقف نے عمارت وقف کی ہے تو یہ شکل بالاتفاق درست ہے، اور اس صورت میں عمارت کو زمین کے تابع قرار دیا

جائے گا۔ تیسری شکل یہ ہے کہ جس زمین میں عمارت بنائی گئی ہے وہ کسی اور جہت میں وقف ہے، اور عمارت کو اس جہت کے علاوہ کسی دوسری جہت میں وقف کیا مثلاً ایک زمین پہلے سے ایک مدرسے پر وقف ہے ایک صاحب نے اس میں عمارت بنوا کر کسی مسجد پر وقف کر دیا تو اس صورت میں وقف صحیح ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلے میں حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف ہے، لیکن صحیح قول کے مطابق اس صورت میں بھی وقف صحیح نہ ہوگا۔ (۱)

علامہ شامی رحمہ اللہ کا موقف

فائدہ: پہلی صورت (غیر کی مملوکہ زمین میں یا خود اپنی مملوکہ زمین میں عمارت بنوائی اور زمین کے بغیر صرف عمارت وقف کی) میں علامہ تمرتاشی رحمہ اللہ نے جو وقف کے جواز کی بات فرمائی ہے اور اسی کو مفتی بہ قرار دیا ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ اس سے متفق نہیں ہیں، چناں چہ حضرت علامہ فرماتے ہیں کہ ''البحر الرائق'' میں ''ذخیرہ'' سے منقول ہے کہ اصل زمین کے بغیر اگر کسی نے صرف عمارت وقف کی تو یہ وقف صحیح نہ ہوگا اور یہی قول صحیح ہے؛ اس لیے کہ زمین کے بغیر صرف عمارت کا وقف یہ ایسے منقول کا وقف ہے، جس میں تعارف وتعامل نہیں (علامہ شامی رحمہ اللہ کی بات پوری ہوئی) اور اشیاءِ منقولہ میں صرف ان اشیاء کا وقف صحیح ہے جس میں لوگوں کا تعامل ہے یا یہ کہ اسے غیر منقول کے تابع بنا کر وقف کر دیا جائے، تا کہ اس میں تابید متحقق ہو جائے، مسئلہ مبحوث عنہا میں ایسے منقول کا وقف ہے، جس میں نہ تو تعامل ہے اور نہ ہی وہ زمین کے تابع ہے کیوں کہ زمین تو مملوک ہے، اگر غیر کی مملوک ہے تو مالک زمین کو اس بات کا حق ہے کہ وہ اپنی زمین واپس لے لے اور اس عمارت کو توڑنے کا حکم دے اور اگر خود واقف کی مملوک ہے تو اگر چہ واقف اپنی حیات میں اس عمارت کے توڑنے اور اپنی زمین کو خالی کرنے کا حکم نہ دے، لیکن اس کی موت کے بعد اس کے ورثہ تو ایسا کر سکتے ہیں اور ان کو یہ حق بھی ہوگا کہ وہ اپنی اس موروثہ زمین کو خالی کرنے اور عمارت کو اس زمین میں سے ہٹانے کا حکم دیں

(۱) فتاویٰ عالمگیری: ۲/۳۵۳، ط: اتحاد

اور جب ایسی صورت پیش آجائے گی تو تابید کا تحقق نہیں ہوسکتا اس لیے کہ یہ تابید کے منافی ہے اور صحت وقف کے لیے تابید شرط ہے۔[۱]

''فتاویٰ عالم گیری'' میں عدم جواز کی صراحت

مُلاحَظة: ''فتاوی ہندیہ'' میں بھی اسی قول کی تصحیح کی گئی ہے، چناں چہ فرماتے ہیں:

و "في الواقعات" ذكر هلال البصري في "وقفه" وُقِف البناءُ مِن غير وقف الأصل لَمْ يجز، وهو الصحيح.[۲]

ماقبل میں زمین کے بغیر عمارت کے وقف کے صحیح ہونے کے سلسلے میں علامہ حصکفی رحمہ اللہ نے قاری الہدایہ رحمہ اللہ کا قول پیش کیا، اس کے بعد آپ (علامہ حصکفی رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ شارحِ ''وھبانیہ'' نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے اور اخیر میں فرمایا کہ ماتن: علامہ تمرتاشی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو برقرار رکھا ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ ہر ایک کا جواب دے رہے ہیں، چناں چہ فرماتے ہیں کہ ''فتاوی قاضی خان'' اور اس کے علاوہ دوسری کتابوں میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ اگر کسی نے عاریت یا اجارے پر لی ہوئی زمین میں عمارت بنوا کر وقف کر دیا تو یہ جائز نہیں اور وقف صحیح نہ ہوگا، لہٰذا قاریٔ ہدایہ کے کلام کو صحیح قرار دینے کے لیے ضروری ہے کہ اسے اس صورت پر محمول کیا جائے جب زمین غیر مملوکہ ہو۔[۳]

بظاہر وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ اجارے یا عاریت پر لی ہوئی زمین یہ غیر کی مملوک ہے اصل مالک اپنی زمین واپس لینے کا مطالبہ کرسکتا ہے اور اسے یہ حق ہے کہ وہ اپنی زمین کو عمارت سے خالی کروائے، پس ایسی صورت میں جب وقف کی عمارت کو توڑ دیا جائے گا تو وقف میں تابید کیسے متحقق ہوگی، بالکل یہی صورت اس وقت بھی ہوگی جب غیر کی مملوکہ زمین میں عمارت بنوا کر وقف کر دے یا

---

(۱) شامی (ملخصاً): ۶/۴۲۶، ط: دار الکتاب

(۲) فتاویٰ عالمگیری: ۲/۳۵۳، ط: اتحاد، دیوبند

(۳) شامی: ۶/۴۶۳، ط: دار الکتاب، دیوبند

اپنی ہی زمین میں عمارت بنوا کر صرف عمارت وقف کرے زمین وقف نہ کرے کہ اس غیر کو اسی طرح اگر اپنی مملوکہ زمین میں عمارت بنوا کر وقف کیا ہے تو واقف کے مرنے کے بعد اس کے وارث کو زمین خالی کرانے کا حق ہے اور وہ کرا سکتے ہیں، لہٰذا عاریت، یا اجارے پر لی ہوئی زمین میں عمارت بنوا کر وقف کرنا جس طرح ناجائز ہے اسی طرح غیر کی مملوک یا اپنی مملوکہ زمین میں عمارت بنوا کر زمین کے بغیر عمارت کا وقف بھی ناجائز ہونا چاہیے کہ دونوں کی علت مشترک ہے اور وہ ہے تابید کا فوت ہونا۔

علامہ حصکفی رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے کہ شارحِ ''وھبانیہ'' نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے کلام میں اس قول کے راجح ہونے کی کوئی تصریح نہیں ہے، اس لیے کہ انھوں نے اپنی بات نظم میں کہی ہے اس کا مصرعہ یہ ہے:

وتجويزُ إيقافِ البناء دون أرضهِ ☆ ولو تلك ملكُ الغير بعضٌ يُقرّر

اس شعر میں کہیں یہ بات ثابت نہیں ہو رہی ہے کہ شارح ''وھبانیہ'' جواز کے قول کو راجح قرار دے رہے ہیں، بلکہ یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ بعض حضرات اسے جائز قرار دیتے ہیں۔

اسی طرح علامہ حصکفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مصنف (علامہ تمرتاشی رحمہ اللہ) نے بھی اسی کو برقرار رکھا ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ مصنف کے کلام میں ملک کی صراحت نہیں ہے۔ (۱)

(۱) انظر: شامی: ٦/٦٦٣-٤، ط: دار الکتاب

ایک حادثے کی وجہ سے کام کا تسلسل موقوف

بروزِ اتوار، ۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۳/ مارچ ۲۰۱۴ء رات تقریباً آٹھ بجے عشاء کی اذان کے وقت عبارت: ''بنى على أرض...... وإن لجهة آخرى فمختلف فيه'' کے ترجمے وتشریح سے جوں ہی فارغ ہوا کہ اچانک والد صاحب رحمہ اللہ کے وفات کی خبر ملی، حضرت الاستاذ دامت برکاتہم وعمت فیوضہم سے مشورے کے بعد میں گھر چلا گیا اور پورے ایک ہفتے تک یہ سلسلہ موقوف رہا، آج بروز پیر ۳۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق ۳۱/ مارچ ۲۰۱۴ء سے پھر یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے شروع کر رہا ہوں، اللہ پاک اپنے فضل وکرم سے تکمیل کی توفیق دے۔ (آمین)

کیا وقف غیر مسجل کی بیع درست ہے؟

أَطْلَقَ بيعَ الوقْفِ غَيْرَ المُسَجَّلِ لوَارثِ الوَاقفِ؛ فَبَاعَ صَحَّ، ولغيرہِ لا

تَرجَمَة : قاضی نے واقف کے وارث کو وقف غیر مسجل کے بیع کی اجازت دی، پھر اس نے شیٔ موقوف کو بیچ دیا تو یہ بیع صحیح ہے اور اگر وارث کے علاوہ کو اجازت دے، تو اس کی بیع صحیح نہیں۔

شَرح : ایک ایسا وقف جو غیر مسجل تھا یعنی باضابطہ قاضی کے رجسٹر میں اس کا وقف ہونا لکھا ہوا نہیں تھا، قاضی نے اس کے کل یا بعض حصے کے بیع کی اجازت دے دی واقف کو یا اس کے وارث کو اور انھوں نے کل وقف یا اس کے بعض حصے کو بیچ دیا تو ان کا یہ معاملہ درست ہوگا اور قاضی کا بیع کی اجازت دینا یہ وقف کے بطلان کا حکم ہوگا وقف کے مسجل نہ ہونے کی وجہ سے۔

ماقبل میں وقف کی تعریف کے ضمن میں یہ بات آچکی ہے کہ وقف لازم ہوتا ہے اور مفتی بہ قول یہی ہے اس مفتی بہ قول کے اعتبار سے وقف کے لازم ہونے کے لئے تسجیل ضروری نہیں، اس کے بغیر بھی وقف صحیح اور لازم ہوگا اور جب لازم ہوگیا تو پھر واقف یا اس کے ورثہ کو اس میں تصرف کا حق کیوں کر ہوگا اور ان کا تصرف وقف میں کیسے نافذ ہوگا جب کہ وہ چیز ان کی ملک سے نکل چکی ہے اس سلسلے میں فقہائے کرام رحمہم اللہ نے بہت بحثیں کی ہیں، بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ حضرت امام صاحب کے نظریے کے مطابق ہے، آپ رحمہ اللہ کے یہاں تسجیل سے پہلے وقف لازم نہیں ہوتا اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کا قول مرجوح ہے، اس بارے میں فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے اور قاضی راجح قول پر فیصلے کا پابند کیا جاتا ہے، مذہب کے کسی بھی قول پر اسے فیصلہ دینے کا اختیار نہیں، بعض حضرات نے کہا کہ چوں کہ فقہ حنفی میں یہ ترتیب ہے کہ سب سے پہلے امام صاحب رحمہ اللہ کے قول پر پھر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر پھر امام محمد وزفر وحسن بن

زیادؒ کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا، اس لیے قاضی نے سب سے پہلے امام صاحبؒ کے قول کو سامنے رکھ کر فیصلہ کردیا، اس پر پھر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ بات تو اس وقت ہے جب مذہب میں امام صاحب کے قول کے علاوہ دوسرے قول کی صراحتاً تصحیح نہ کی گئی ہو اور یہاں اس مسئلے میں صاحبین رحمہما اللہ کے قول کے مفتی بہ ہونے کی تصریح ہے، لہٰذا یہ جواب بھی کوئی مضبوط نہیں، صاحبِ درِمختار: علامہ حصکفیؒ نے یہ جواب دیا ہے کہ ''النهر الفائق'' میں ہے کہ مسئلے کی یہ صورت محمول ہے، قاضی کے مجتہد ہونے پر یعنی قاضی مجتہد نے اگر وقف غیر مسجل کے بیع کی اجازت دے دی تو درست ہے اور حضرت علامہ شامیؒ وغیرہ کی بحث کا بھی خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ اسے قاضی مجتہد پر محمول کیا جائے نہ کہ غیر مجتہد پر، اس لیے کہ وہ صرف مذہب کے راجح قول پر فیصلہ کرنے کا پابند ہوتا ہے اور مصلحت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اسے قاضی مجتہد کے ساتھ متعلق کیا جائے سد باب کے واسطے ورنہ تو ہر ایک قاضی وقف کے بطلان کا اور جواز بیع کا فتوی دینے لگے گا اور وقف ایک کھلونا بن کر رہ جائے گا۔

اس کے برخلاف قاضی مجتہد نے بھی اگر واقف کے ورثہ کے علاوہ کسی اور کو بیع کی اجازت دے دی اور اس نے بیع کا معاملہ کرلیا تو یہ عقد درست نہ ہوگا اس لئے کہ ابھی اوپر بات آچکی ہے کہ قاضی کا بیع کی اجازت دینا یہ وقف کے باطل ہونے کا فیصلہ کرنا ہے اور جب وقف باطل ہوگیا تو شئ موقوف واقف کے ورثہ کی ملک میں آگئی، اب دوسرے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسرے کی چیز اس کی اجازت کے بغیر فروخت کردے، لہٰذا اجنبی کو اگر قاضی نے اجازت دے دی اور اس نے بیع کا معاملہ کرلیا تو یہ عقد باطل ہوگا۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ بیع صحیح ہو اور ورثہ کی اجازت پر موقوف ہو۔

فائدہ: وقف مسجل کا ثبوت منقطع ہوجائے اور واقف کی اولاد وقف کو باطل کرنا چاہے تو مفتی ابوالسعودؒ اپنی معروضات میں فرماتے ہیں کہ قاضیوں کو اس قسم کے دعوے کی سماعت سے روک دیا جائے گا کہ وہ اس قسم کے دعوے پر دھیان نہ دیں اور وہ چیز بدستور وقف رہے گی۔

مرض الموت میں وقف کا حکم

الـوقْفُ فـي مَـرَضِ موتِه كَهِبَةٍ فيه ؛ فإنْ خَرَج مِنَ الثُّلُثِ ، أوْ أَجَازَهُ الوارثُ نَفَذَ في الكُلِّ ،وإلّا بَطَلَ في الزائدِ عَلىَ الثُّلُثِ.

تَرجَمَة :مرض الوفات میں وقف کرنا مرض الوفات میں ہبہ کے مانند ہے، پس اگر وقف ثلث مال سے نکل جائے (پورا) ہوجائے یا وارث (ثلث مال سے پورا نہ ہونے کی صورت میں)اس کی اجازت دے دے تو کل میں نافذ ہوجائے گا ورنہ ثلث مال سے زائد میں وقف باطل ہوگا۔

شَرح :مرض الموت میں وقف کرنا مرض الموت میں ہبہ کے مانند ہے یعنی جس طرح مرض الموت میں اگر کسی نے کسی کو کچھ ہبہ کیا تو ہبہ صرف ثلث مال سے صحیح ہوگا،اسی طرح اگر کسی نے مرض الوفات میں وقف کیا تو یہ وقف صرف ثلث مال میں صحیح ہوگا،اسی طرح جیسے ہبہ کے صحیح ہونے کے لئے قبضہ،افراز (مشاع نہ ہونا) شرط ہے صحت وقف کے لئے بھی یہ شرط ہے،لیکن صرف امام محمدؒ کے نزدیک پس اگر وقف ثلث مال سے نکل گیا، یعنی واقف نے مرض الموت میں جو وقف کیا تھا وہ اگر کل مال کے ثلث سے پورا ہوگیا یا پورا نہیں ہوا لیکن تمام ورثہ نے بطیّب نفس اپنی طرف سے وقف کے نفاذ کی اجازت دے دی کل مال سے تو اب کل مال میں وقف صحیح ہوجائے گا اور اگر وقف ثلث سے زائد ہے ثلث سے پورا نہیں ہورہا ہے اور ورثہ ثلث سے زائد میں نفاذ کی اجازت بھی نہیں دے رہے ہیں تو ثلث سے زائد میں وقف باطل ہوجائے گا اور اگر ورثہ میں سے بعض نے تو اجازت دی اور بعض نے اجازت نہیں دی تو جس نے زائد میں اجازت دی اس کے حصہ کے بقدر زائد میں وقف صحیح ہوگا مثلاً: ایک شخص ہے اس کے پاس نو ہزار روپیہ ہے اس نے مرض الوفات میں چھ ہزار روپیہ وقف کردیا، پس ماندگان میں اس کے تین بیٹے ہیں، ان میں سے ایک نے زائد من الثلث میں وقف کی اجازت دے دی تو ایسی صورت میں چار ہزار روپیہ میں وقف صحیح ہوجائے گا۔

فـــائـدہ: راہن مفلس اور وہ مریض جو دین محیط کا مقروض ہے ان دونوں کا وقف باطل ہے

برخلاف تندرست مدیون کے جب کہ اس نے وقف کیا ہو تصرف سے روک دیئے جانے سے پہلے پہلے (سفاہت کی وجہ سے، یا دین کی وجہ سے مجور التصرف ہونے کی وجہ سے) لہٰذا تندرست مدیون اگر یہ شرط لگائے کہ وقف کی آمدنی سے اس کا قرض ادا کیا جائے تو یہ شرط درست ہے اور اگر یہ شرط نہ لگائے تو واقف کی کفایت کے مقدار سے جو فاضل آمدنی ہو اس سے اس کا قرض ادا کیا جائے گا اور اگر واقف نے اپنے علاوہ کسی دوسرے شخص پر وقف کیا تو پھر وہ آمدنی اسی شخص کے ساتھ خاص ہوگی واقف مقروض کا دین اس سے نہیں ادا کیا جائے گا۔

وقف کس پر ہوتا ہے؟

الوقفُ إمّا لِلْفُقَرَاءِ، أو للأغنِياءِ، ثُم للفُقراءِ، أو يَسْتَوِيْ فيه الفريقانِ، كَرِباطٍ و خَان و مَقَابِرَ و سِقَايَاتٍ و قَنَاطِرَ و نحْوِ ذلك.

تَرْجَمَة: وقف یا تو فقراء کے لیے ہے یا مالداروں کے لیے، پھر فقراء کے لیے یا پھر اس میں دونوں فریق برابر ہیں، جیسے: چھوٹے بڑے مہمان خانے، قبرستان، پانی کی سبیل، پل اور ان کے مانند دوسری چیزیں۔

شَرْح: وقف تین طرح پر ہے:

(۱) صرف فقراء کے لیے۔

(۲) مال داروں کے لیے پھر فقراء کے لیے۔

(۳) وہ چیزیں جن میں دونوں برابر ہیں، جیسے: مساجد، پن چکی، کنواں، حوض، تھال، لگن برخلاف دوا کے جو تیمار خانے میں ہوتی ہیں کہ وہ صرف غریبوں کے لیے ہے نہ کہ مالداروں کے لیے، اس لیے کہ ماقبل میں جن چیزوں کا تذکرہ آیا ہے اس کی ضرورت ہر ایک کو پڑتی ہے، اس لیے ان میں مالدار غریب سب برابر ہیں اور ہر ایک کے لیے ان چیزوں کا استعمال درست ہے جہاں تک دوا کی بات ہے، تو اس کی بھی ہر ایک کو ضرورت پڑتی ہے، لیکن اس کی ضرورت پانی کے مقابلے میں

کم ہے،اس لیے کہ پیاسا اگر پانی نہ پیے اور پیاس سے دم توڑ دے تو وہ گناہ گار ہوگا لیکن اگر مریض نے علاج نہیں کرایا اور دوا استعمال نہیں کیا اور مر گیا تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا، دوا کا استعمال مالداروں کے لئے اس وقت درست ہوگا جب واقف تعمیم کر دے اور یوں کہہ دے کہ یہ دوائیں تمام مریضوں کے واسطے وقف ہیں یا یہ صراحت کے ساتھ کہہ دے کہ اغنیاء بھی اس میں داخل ہیں،تو پہلی صورت میں تبعاً اور دوسری صورت میں قصداًاغنیاء بھی اس وقف میں داخل ہوں گے۔

فائدہ:اوپر کی سطروں میں وقف کی تین صورتیں بیان کی گئیں،تینوں میں فقراء کا تذکرہ ہے،علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی صرف اغنیاء پر وقف کرے تو وصف صحیح نہ ہوگا،اس لیے کہ اغنیاء پر وقف قربت نہیں ہے اور یہ بات وقف کی تعریف کے ضمن میں بھی آ چکی ہے۔(۱)

اجارۂ وقف کے سلسلے میں واقف کی شرط کی رعایت

يُراعىٰ شرطُ الواقفِ في إجارَتِه ؛ فلو أهْمَل الواقفُ مدتَّها ، قِيل: تُطلَقُ ، و قيل: تُقيَّدُ بسنةٍ ، وبها يُفتىٰ في الدار، و بثَلاثِ سِنينَ في الأرضِ.

ترجمة :اجارۂ وقف میں واقف کی شرط کی رعایت کی جائے گی واقف نے اگر اجارے کی مدت بلا قید رکھی ہے تو کہا گیا ہے کہ متولی کو مطلقاً حق رہے گا (اجارہ پر دینے کا) اور ایک قول یہ ہے کہ ایک سال کے ساتھ مقید ہوگا اور اسی ایک سال کی مدت پر فتویٰ ہے،گھر کے سلسلے میں اور تین سال کی مدت پر فتویٰ ہے زمین کے سلسلے میں۔

شرح :ماقبل میں یہ بات آ چکی ہے کہ واقف کی شرط نص شارع کی طرح ہے،اب مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کوئی چیز وقف کی اور شئ موقوف کے سلسلے میں کوئی شرط لگائی،مثال کے طور پر اس کے کرائے پر دیئے جانے کے متعلق شرط لگائی کہ اسے ایک سال سے زائد مدت تک کے لیے کرائے

(۱) شامی:۶/۲/۴۷۲، ط:دارالکتاب

پرنہیں دینا ہے تو واقف کی یہ شرط واجب الرعایت ہے، اس کے خلاف کرنا جائز نہیں اور متولی کے لیے ہرگز اس بات کی گنجائش نہیں کہ وہ اپنی طرف سے ایک سال سے زائد مدت تک کے لیے اجارے پر دے دے، ہاں! اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ کوئی بھی مستاجر ایک سال کی مدت کے لیے اجارے پر لینے کو تیار نہیں تو متولی قاضی سے صورتِ حال بیان کرے، اب اگر قاضی مناسب سمجھے گا تو وہ واقف کی شرط کے خلاف ایک سال سے زائد مدت تک کے لیے بھی اجارے پر دینے کی اجازت دے سکتا ہے، اس لیے کہ قاضی کو فقیر غائب اور میت پر ولایت نظری حاصل ہے۔

اور اگر وقف نے کوئی مدت مقرر نہیں کی، بل کہ بیان مدت کے بغیر وقف کر دیا، تو اس سلسلے میں اقوال مختلف ہیں، ایک قول یہ ہے کہ متولی کو اس صورت میں مطلقاً اختیار ہوگا وہ جتنی مدت تک کے لیے چاہے اجارے پر دے سکتا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ جب واقف نے کوئی مدت بیان نہیں کی تو متولی ایک سال تک کی مدت پر اجارے پر شیٔ موقوف کو دے سکتا ہے اور دار کے سلسلے میں یہی ایک سال کا قول مفتی بہ ہے اور زمین کے سلسلے میں تین سال کا قول مفتی بہ ہے اور اگر مصلحت اس کے خلاف کی متقاضی ہو تو اس کے برعکس بھی کیا جا سکتا ہے اور ایسا زمان و مکان کے اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے۔

مُلاحَظة : وقف میں مدتِ اجارہ میں زیادتی اس لیے درست نہیں کہ اس سے وقف کا ابطال لازم آئے گا، بایں طور کہ جو مستاجر کو مدت دراز تک مالکانہ تصرف کرتا دیکھے گا تو وہ اس کو وقف کا مالک سمجھ بیٹھے گا۔

اجرتِ مثل سے کم پر وقف کا اجارہ درست ہے یا نہیں؟

و يُؤجَرُ بالمثْل لاَ بالأقلِّ ؛ فلَو رخَّصَ أجْرَهُ لا يَفسُخ العقدُ و لو زاد علىٰ أجرِ مثلِه ، قيل: يُعقد ثانياً به على الأصحِّ ، وقيل: لا، كزيادةٍ تعَنُّتاً ، والمستاجرُ الأولُ أولٰى من غيرِه إذا قَبِل الزيادةَ.

تَرجَمَة : اور شیءِ موقوف کو اجرتِ مثل پر اجارے پر دیا جائے اس سے کم پر نہیں، پس اگر

وقف کا کرایہ کم ہو جائے تو عقد اجارہ فسخ نہیں ہوگا اور اگر کرایہ اجرت مثل سے زیادہ ہو جائے تو کہا گیا ہے کہ اجرت مثل پر دوبارہ عقد کیا جائے گا صحیح ترین قول کے مطابق اور دوسرا قول یہ ہے کہ دوبارہ عقد نہیں کیا جائے گا جیسے وہ زیادتی جو کسی کو تکلیف پہنچانے کے لیے ہو (اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا) اور پہلا مستاجر زیادہ حقدار ہے (کرائے پر لینے کا) اپنے علاوہ (مستاجر) سے جب کہ وہ زیادتی (جو اجرت مثل سے بڑھ گئی ہے) کو قبول کرلے۔

شَــرح: شيءِ موقوف کو اجرت مثل سے کم میں اجرت پر دینا درست نہیں، اگر چہ فی الوقت متوفی ہی کیوں نہ وقف کی آمدنی کا مستحق ہو، بایں طور کہ واقف نے ایک معین شخص پر وقف کیا اور پھر اسی کو شئ موقوف کا متولی بنادیا اس لیے کہ اجرت مثل سے کم میں اجارے پر دینے میں وقف کا نقصان ہے، متولی کے وفات پانے کے بعد جب دوسرے مستحقین کی طرف وقف کی آمدنی منتقل ہوگی یا اسی طرح اگر وقف کو مرمت وغیرہ کی ضرورت پڑ جائے تب بھی کم اجرت پر کرایے پر دینے کی صورت میں وقف کو ضرر ہوگا، ہاں اگر اجرت مثل سے معمولی کمی ہے جس میں عام طور پر لوگ نقصان برداشت کر لیتے ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں، یا یہ کہ شئ موقوف کو کوئی بھی اجرت مثل پر لینے کو تیار نہ ہو تو پھر کم کرایے پر دے سکتے ہیں، اور اگر اجرت مثل پر کرایے پر دیئے جانے کے بعد کرایہ بالکل کم ہو جائے یعنی کرایے پر دیئے جانے کے وقت مکان کی اجرت مثل مثال کے طور پر دو ہزار روپیہ تھی، اور اتنے ہی پر عقد اجارہ ایک سال کی مدت تک کے لئے منعقد ہو گیا اب ابھی پانچ مہینے ہی گذرے تھے کہ اجرت مثل گھٹ کر پانچ سو روپیہ ہو گئی تو یہ عقد فسخ نہیں ہوگا؛ بل کہ ابتداء جو دو ہزار پر عقد اجارہ منعقد ہوا تھا ابھی بھی مدت اجارہ مکمل ہونے تک اسی مقدار پر عقد باقی رہے گا اگر چہ مستاجر فسخ عقد کا مطالبہ کرے اور یوں کہے کہ اجرت مثل بہت کم ہو چکی ہے اس طرح کا مکان اب اتنی اجرت پر نہیں، بلکہ اس سے بہت کم میں مل رہا ہے میں اتنی زیادہ رقم خواہ مخواہ نہیں دوں گا؛ بل کہ ہمارے اس عقد کو فسخ کر دیا جائے تو بھی مستاجر کی بات کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جائے گی اور عقد فسخ نہیں ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں وقف کا ضرر ہے اور اگر اس کے برخلاف وقف کا کرایہ اجرت مثل سے بہت بڑھ

جائے، مثلاً: جس وقت عقد اجارہ ہوا اس وقت اجرت مثل پندرہ سو روپیہ تھی، ابھی اجارے کی مدت پوری نہیں ہوئی کہ درمیان ہی میں کرایہ بڑھ کر پچیس سو روپیہ ہوگیا اور تمام لوگ اس پر عمل بھی کرنے لگے یعنی لوگ اتنے کرایے پر مکان دکان وغیرہ کرایے پر لینے دینے لگ گئے تو ایسی صورت میں پہلے جس اجرت مثل پر عقد اجارہ ہوا تھا اسے ختم کر کے از سر نو جدید اجرتِ مثل پر عقد کیا جائے گا اس سلسلے میں اصح قول یہی ہے اور دوبارہ عقد مستاجرِ اول کے ساتھ ہی کیا جائے گا زائد اجرت کے ساتھ۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ مدتِ اجارہ کے درمیان میں جب اجرتِ مثل پر اضافہ ہوا اور مستاجرِ اول اس زیادتی کو قبول بھی کر رہا ہے بایں طور کہ وہ اس بات پر تیار ہے کہ جس قدر اجرت میں اضافہ ہوا ہے میں کرایہ اس اضافے کے ساتھ ادا کروں گا تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ عقدِ جدید کی ضرورت نہیں، اجرتِ مثل کے بڑھ جانے کی صورت میں ایک دوسرا قول یہ ہے کہ عقد اول فسخ نہیں ہوگا؛ بل کہ جس اجرت مثل پر عقد ہوا تھا اجارے کی مدت پوری ہونے تک اسی پر عقد اجارہ باقی رہے گا، اس لیے کہ عقد اجارہ جس اجرت مثل پر متولی کو کرنے کا اختیار ہے وہ عقد کے وقت کی اجرت مثل ہے اور بوقت عقد جو اجرتِ مثل تھی اس پر عقد ہو چکا، لہٰذا بعد میں اضافے کا کوئی اعتبار نہیں، جیسے کوئی شخص اپنی کوئی چیز اجرت مثل پر کرایے پر دے ابھی اجارے کی مدت پوری نہیں ہوئی کہ درمیان ہی میں اجارے پر دینے والا شخص مستاجر کو پریشان کرنے اور تکلیف پہنچانے کی غرض سے کرایے میں اضافہ کردے جب کہ عام کرایہ ابھی اتنا نہیں ہے تو مؤجر کی اس زیادتی کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور جس اجرت مثل پر عقد اجارہ منعقد ہوا تھا مستاجر پر اتنی ہی اجرت واجب ہوگی اور عقد علی حالہ باقی رہے گا اسی طرح وقف کے اجارے کے سلسلے میں مدت اجارہ مکمل ہونے سے پہلے اگر اجرت مثل پر اضافہ ہو جائے تو اس اضافے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور بوقت عقد جس اجرت مثل پر عقد ہوا تھا، اسی پر باقی رہے گا لیکن قول اول ہی مفتی بہ ہے اس لئے کہ اس میں وقف کا زیادہ نفع ہے اور وقف کے سلسلے میں یہ ضابطہ ہے کہ اس قول کو اختیار کیا جائے گا جس میں وقف کا زیادہ نفع ہو۔

جب وقف کا کرایہ بڑھ گیا اور بڑھوتری کے ساتھ دوبارہ عقد کی ضرورت پیش آئی تو

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر مستاجر اول زیادتی کو قبول کرتا ہے تو زیادتی اجرت کے ساتھ دوبارہ پھر اسی کو کرایے پر دیا جائے گا اور وہ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں کرایے پر لینے کا زیادہ حق دار ہوگا، ہاں اگر وہ خود زیادتی کے ساتھ کرایے پر لینے کو تیار نہ ہو تو پھر اس کے علاوہ جو بھی زیادتی کے ساتھ لینے کو تیار ہو اسے کرایے پر دیا جائے گا، لیکن یہ صورت کہ اگر مستاجر اول زیادتی کے ساتھ لینے کو تیار نہ ہو تو دوسرے شخص کو دیا جائے گا، یہ اس وقت ہے جب زمین خالی پڑی ہو اور اگر مستاجر نے اس میں کچھ کاشت وغیرہ کرلی ہے تو کھیتی کے کٹنے تک وہ زمین مستاجر اول کے ہی قبضے میں رہے گی اور اس پر اجرت مثل پر زیادتی کے ساتھ کرایہ لازم ہوگا اس لیے کہ مستاجر کے حق نے زمین کو کسی دوسرے کو اجارے پر دینے سے روک رکھا ہے۔

ایک اہم فائدہ: علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ماقبل میں جو بات آئی کہ ''اجرت مثل پر زیادتی کی صورت میں اگر مستاجر اول زیادتی کو قبول کرلے تو دوسرے لوگوں کے مقابلے میں وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ وہ چیز دوبارہ اسی کو اجرت پر دی جائے''، یہ بات علی الاطلاق درست نہیں؛ بل کہ یہ اس وقت ہے جب مدت اجارہ کے اندر ہی یہ زیادتی ہو رہی ہو اور اگر مدت اجارہ کے مکمل ہونے کے بعد زیادتی ہو رہی ہے تو پھر ایسی صورت میں وہ اور لوگوں کی بہ نسبت زیادہ حق دار نہیں کہ اسے دیگر لوگوں کے مقابلے میں ترجیح دی جائے اور دوبارہ پھر اس کو اجرت مثل پر زیادتی کے ساتھ شئ موقوف اجارے پر دی جائے اگرچہ وہ زیادتی کو قبول بھی کرلے، اسی طرح اجارے کی ایک مدت پوری ہوگئی اب دوبارہ معاملہ کرنا ہے تو اس صورت میں بھی پہلا مستاجر ہی زیادہ حقدار نہیں کہ دوبارہ پھر اسی کو شئ موقوف اجارے پر دی جائے، اگرچہ اجرت مثل میں کچھ اضافہ نہ ہوا ہو، اور پہلے جتنی اجرت تھی اس پر لینے کو وہ بخوشی تیار بھی ہو۔ علامہ شامی رحمہ اللہ نے زور دے کر فرمایا کہ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہیے، ہمارے زمانے میں بہت سے لوگ علی الاطلاق ہر حال میں چاہے اجرت مثل پر زیادتی ہو رہی ہو یا نہ ہو رہی ہو، اسی طرح مدت اجارہ کے اندر زیادتی ہو رہی ہو یا مدت کے مکمل ہونے کے بعد مستاجر اول کا ہی حق سمجھتے ہیں اور اسی پر فتوی دیتے ہیں جب کہ یہ

بات کتب مذہب یعنی متون، شروح فتاوی سب کے خلاف ہے؛ بل کہ ان حضرات کا سب سے بڑا مستند مصنف رحمہ اللہ کا اس بات کو علی الاطلاق بیان کر دینا ہے جب کہ یہ قطعاً غلط ہے اور اس میں ایسی خرابی اور اوقاف کا ضیاع ہے جو مخفی نہیں، مثلاً: ایسی صورت میں ایک ہی مستاجر کے قبضے میں ارض موقوفہ کا ایک لمبی مدت تک باقی رہنا لازم آئے گا جو بسا اوقات اس بات کا سبب بن جائے گا کہ مستاجر ارض موقوفہ میں اپنی ملک کا دعویٰ کر بیٹھے، اسی خوف سے فقہاء نے لمبی مدت تک کے لیے اجارے پر دینے سے روکا ہے، مزید حضرت علامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے کی مکمل بحث میں نے اپنے رسالے: "تحرير العبارة فيمن هو أولى بالإجارة" میں کی ہے اس کی مراجعت سے مزید اچھی اچھی باتیں معلوم ہوں گی۔ (۱)

خلاصۂ کلام: مستاجر اول صرف ایک صورت میں اپنے علاوہ دیگر لوگوں پر مقدم ہے جب کہ زیادتی اجرت مثل پر مدت اجارہ کے اندر ہو رہی ہو اور وہ اسے قبول بھی کر رہا ہو۔

کیا موقوف علیہ شیءِ موقوف کو اجارے پر دینے کا مستحق ہے؟

والموقوفُ عليه الغَلّةُ لايَمْلِكُ الإجارةَ، إلا بتَوْلِيَةٍ.

تَرجَمَة: اور جس کے واسطے وقف کی آمدنی وقف ہو وہ تولیت کے بغیر (شیءِ موقوف کو) اجارے پر دینے کا مالک نہیں۔

شَرْح: جس شخص پر وقف کی آمدنی وقف ہے وہ اگر شئ موقوف کو اجارے پر دینا چاہے تو نہیں دے سکتا، اس لیے کہ موقوف علیہ صرف منافع کا مالک ہے بغیر کسی بدل کے، لہٰذا وہ بدل کے ذریعے مالک بنانے کا حق دار نہ ہوگا ورنہ تو جتنے کا وہ مالک ہے اس سے زیادہ کا مالک بنانا لازم آئے گا۔

مگر ہاں جب موقوف علیہ خود متولی بھی ہو، خواہ پہلے سے رہا ہو یا قاضی نے بعد میں بنا دیا ہو تو اب پھر اسے شئ موقوف کو اجارے پر دینے کی اجازت ہے یا موقوف علیہ متولی تو نہ ہو مگر قاضی نے

---

(۱) شامی: ٦/ ٤٧٨، ط: دار الکتاب

اسے اجارے پر دینے کی اجازت دے دی تو پھر موقوف علیہ الغلۃ اسے اجارے پر دے سکتا ہے۔

اگر متولی اجرت مثل سے کم پر اجارے پر دے دے تو بھی...

وإذا أجرَه المُتولِّي بدون أجْرِ المِثْل ، لزِمَ المُستَاجِرَ تمَامُه ، كأبٍ أَجَرَ منزلَ صغيرِه بدُونِه.

تَرجَمَۃ :اور جب متولی شیءِ موقوف کو اجرت مثل سے کم میں اجارہ پر دے دے تو مستاجر پر پورا اجر مثل لازم ہوگا، جیسے کہ باپ نے اگر اپنے چھوٹے بچے کا مکان اجرت مثل سے کم میں اجارے پر دے دیا (تو مستاجر پر پوری اجرت مثل لازم ہوگی۔)

شَرح :ماقبل کی سطروں میں یہ بات آئی کہ متولی شئ موقوف کو اجرت مثل پر کرایے پر دے گا، اب یہاں سے یہ مسئلہ بیان فرمارہے ہیں کہ اگر متولی نے وقف کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اجرت مثل سے کم پر اجارے پر دے دیا تو بھی مستاجر پر پوری اجرت مثل لازم ہوگی جس اجرت پر عقد ہوا ہے وہ لازم نہیں ہوگی، اجرت مثل سے کم میں اجارے پر دینے کی وجہ سے متولی پر کچھ لازم نہیں ہوگا گو کہ وہ خائن ہے، اسے ایسا کرنا نہیں چاہیے، بعض دوسرے حضرات نے ایسی صورت میں یہ بات کہی ہے کہ متولی پر نقصان کی تلافی لازم ہے مستاجر اتنا ہی کرایہ دے گا جتنے پر عقد ہوا ہے، اس لیے کہ یہاں قصور متولی کا ہے نہ کہ مستاجر کا، لہٰذا جس نے غلطی کی وہ نقصان برداشت کرے گا، لیکن درحقیقت یہ قول صحیح نہیں بلکہ قول اول ہی درست ہے کہ مستاجر پر ایسی صورت میں اجرت مثل لازم ہوگی اور یہ مسئلہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ کسی صغیر کے باپ یا وصی نے صغیر کے مکان کو اجرت مثل سے کم پر اجارے پر دے دیا تو مستاجر پر پوری اجرت مثل لازم ہوگی، کیوں کہ باپ اور وصی میں سے ہر ایک کو کم کرنے اور ساقط کرنے کی ولایت نہیں، یہ بات صاحب درمختار نے بیان فرمائی اور چوں کہ صرف باپ اور وصی کا تذکرہ کیا اس لیے تثنیہ کی ضمیر ''**لكل منهما**'' (باپ اور وصی کو) ذکر کی، اس پر علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صاحبِ درمختار: علامہ حصکفی رحمہ اللہ اگر ''**بكل**

منهما ‘‘ کے بجائے ’’بکل منهم ‘‘ جمع کی ضمیر ذکر کر دیتے تو زیادہ اچھا تھا(۱)؛ تا کہ یہ تعلیل متولی کو بھی شامل ہو جاتی اور عبارت کا مطلب یہ ہو جاتا کہ باپ وصی اسی طرح متولی ان میں سے کسی کو کم کرنے اور ساقط کرنے کی ولایت نہیں۔

اسی طرح اگر واقف خود بھی اتنی کم اجرت پر کرایے پر دے دے جس میں لوگ دھوکہ نہیں کھاتے تو واقف کے لیے ایسا کرنا درست نہیں اور قاضی اس اجارے کو باطل کر دے گا، اور اگر ایسا واقف سے غفلت میں ہوا ہے جب کہ واقف مامون ہے، اب تک اس سے کسی خیانت کا ظہور نہیں ہوا ہے تو قاضی اس کی ولایت کو باقی رکھتے ہوئے اسے یہ حکم دے گا کہ اسے اجرت مثل پر اجارے پر دے اور اگر واقف غیر مامون ہے تو قاضی اس کی ولایت سلب کر لے گا اور دوسرے کسی معتبر شخص کو اس کی ولایت سونپ دے گا’’ الأشباہ و النظائر ‘‘ میں’’ قنیہ ‘‘ سے منقول ہے کہ ایسی صورت میں (جب واقف یا متولی اجرت مثل سے کم میں اجارے پر دے دے) قاضی مستاجر کو یہ حکم دے گا کہ وہ اجرت مثل پر اجارے پر لے اور گذرے ہوئے دنوں کی زیادتیاں اس پر لازم ہوں گی۔

وقف کی زمین اور اس کے منافع کے غصب پر ضمان کا فتویٰ

يُفتىٰ بالضَّمانِ في غَصْبِ عَقَارِ الوقفِ ،وغصبِ مَنافِعِهِ ، و كذا بِكُلِّ مَاهو أَنفعُ للوقْفِ ،فيما اخْتَلَف العلماءُ فيه

تَرجَمَة : وقف کی زمین اور اس کے منافع کے غصب کی صورت میں تاوان کا فتوی دیا جائے گا اسی طرح (فتوی دیا جائے گا) ہر اس قول پر جو وقف کے لیے زیادہ نافع ہو، جس میں علماء کا اختلاف ہے۔

شَرح : مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے وقف کی زمین غصب کر لی بایں طور کہ اس زمین میں اتنا پانی بھر دیا کہ وہ قابل کاشت نہ رہی، یا یہ کہ وقف کے منافع کو غصب کر لیا جیسے کوئی شخص دار موقوفہ

(۱) حاشية الطحطاوي على الدر المختار:۵۵۲/۲

میں بلا اجازت رہنے لگا یا یہ کہ خود متولی نے کسی کو اس میں بغیر اجرت کے ٹھہرادیا یا یہ کہ کسی نے شئ موقوف کو اس طرح خراب کر دیا کہ وہ بالکل معطل ہوگئی اور قابل انتفاع نہ رہی تو ان تمام صورتوں میں تاوان لازم ہوگا اور پھر اس تاوان کی رقم سے دوسری زمین خریدی جائے گی جو پہلی کی جگہ وقف ہوگی اور اس کے وقف ہونے کے لیے الگ سے الفاظ وقف کہنا ضروری نہیں، یہی مفتی بہ قول ہے اور اسی میں وقف کی حفاظت ہے۔

"**وکذا بکل ماهو الخ**": اسی طرح فتوی دیا جائے گا وقف کے سلسلے میں علماء کے مختلف اقوال میں سے اس قول پر جس میں وقف کا زیادہ نفع ہو، جیسے یہ مسئلہ کہ اگر وقف کی آمدنی کم ہو جائے تو بعض علماء کے نزدیک وقف کی تبدیلی جائز اور دوسرے بعض کے نزدیک نا جائز ہے، تو اس صورت میں تبدیلیٔ وقف کا فتویٰ دیا جائے گا کہ اس میں وقف کا نفع زیادہ ہے کہ بدل سے زیادہ آمدنی کی امید ہے، اسی طرح مسئلہ یہ ہے کہ عقار کے غصب پر حضرات شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک تاوان نہیں، امام محمد، زفر، شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک ہے، لہٰذا وقف کے سلسلے میں امام محمد، زفر رحمہما اللہ کے قول ہی پر فتویٰ ہوگا، اس لیے کہ تاوان لازم کرنے میں وقف کا نفع زیادہ ہے، ایسے ہی ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ واقف اگر وقف کی آمدنی اپنے لیے مقرر کرے تو وقف صحیح ہوگا یا نہیں؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وقف صحیح ہو جائے گا، اور واقف جب تک زندہ رہے گا آمدنی اس کے لیے ہوگی اور اس کی وفات کے بعد فقراء کے لئے متعین ہو جائے گی، جب کہ امام محمد رحمہ اللہ اس طرح کے وقف کو باطل قرار دیتے ہیں اور یہ مسئلہ پہلے آچکا ہے، خیر یہاں بھی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر فتوی دیا جائے گا کہ آپ کے قول پر فتویٰ دینے میں وقف کا زیادہ نفع ہے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ وقف کے سلسلے میں رغبت کریں گے اور وقف عام ہوگا اسی طرح ایک مسئلہ جس میں علماء کے درمیان اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ اگر وقف کی اجرت مثل مدت اجارہ کے درمیان ہی میں بہت زیادہ بڑھ گئی، مثلاً: جس وقت وقف کا عقد اجارہ ہوا اس وقت اجرت مثل تھی ایک ہزار روپیہ، اب ایک ہزار پر ایک سال کی مدت تک کے لیے عقدِ اجارہ منعقد ہو گیا ابھی پانچ مہینے ہی گذرے تھے کہ اجرت مثل بڑھ کر ایک ہزار سے تین ہزار

ہوگئی تو اب ایسی صورت میں جو پہلے ایک ہزار کی اجرت مثل پر عقد ہوا تھا وہ ختم کر دیا جائے گا اور اب از سر نو جدید اجرت مثل (تین ہزار) پر دوبارہ عقد کیا جائے گا، یا پھر اس زیادتی کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور ابتداءً جس اجرت مثل پر عقد ہو چکا ہے مدت اجارہ مکمل ہونے تک عقد اسی اجرت مثل پر باقی رہے گا، فسخ نہیں کیا جائے گا بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ پہلا عقد فسخ کر کے نئی اجرت مثل پر دوبارہ عقد کیا جائے گا اور دوسرے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ پہلا عقد فسخ نہیں ہوگا پہلی ہی اجرت مثل پر باقی رہے گا۔ ظاہر ہے ان دو قولوں میں پہلا قول ہی وقف کے لیے زیادہ نافع ہے، اسی لیے فتوی اسی پر دیا جائے گا اور یہ مسئلہ بھی عبارت "**ولو زاد علی أجر مثله قيل يعقد ثانياً به على الأصح وقيل لا آه**" کی تشریح کے ضمن میں تفصیل سے گذر چکا ہے اور وہیں قولِ اول (دوبارہ جدید اجرت مثل پر عقد ہونے پر) کے مفتی بہ ہونے کی صراحت بھی کر دی گئی ہے، اس لئے کہ وہی انفع للوقف ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ چند مثالیں ہم نے بطور نمونہ کے پیش کر دی ہیں، انہیں میں حصر نہیں تلاش و جستجو کے بعد اور بھی مثالیں اس طرح کی مل سکتی ہیں، جس میں مختلف فیہ اقوال میں سے انفع للوقف کے مطابق فتویٰ دیا گیا ہے۔

وقف کے سلسلے میں شہادت بغیر دعوی بھی مقبول ہے

وتُقبَل فيه الشهادةُ بِدونِ الدّعْویٰ

تَرجَمَة :اور وقف میں بغیر دعوے کے گواہی قبول کی جاتی ہے۔

شَرْح : مسئلہ یہ ہے کہ اگر گواہان کسی چیز کے وقف ہونے کی شہادت دیں بغیر کسی دعوے کے یعنی شئ موقوف کے بارے میں کسی نے یہ دعوی نہیں کیا کہ یہ چیز اللہ کے لئے وقف ہے، بلکہ گواہان از خود قاضی کے یہاں جا کر اس بات کی شہادت پیش کر رہے ہیں کہ فلاں شئ للہ وقف ہے، تو مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وقف کے باب میں ایسی شہادت مقبول ہے، اس لئے کہ وقف کا جو اثر مرتب ہوتا ہے وہ ہے وقف کی آمدنی کا تصدق اور آمدنی کا تصدق یہ اللہ کا حق ہے اور اللہ کے حق کے

اثبات کے لیے مدعی کے دعوے کی کوئی ضرورت نہیں۔اور یہ مقام ان چودہ مقامات میں سے ایک ہے جہاں دعوے کے بغیر شہادت قبول ہوتی ہے اور وہ چودہ مقامات یہ ہیں:

(۱) وقف (۲) طلاق (۳) تعلیق طلاق (۴) باندی کا آزاد ہونا (۵) باندی کا مدبر ہونا (٦) خلع (۷) رمضان کا چاند (۸) نسب (۹) حد زنا (۱۰) حد شراب (۱۱) ایلاء (۱۲) ظہار (۱۳) حرمت مصاہرت (۱۴) آقا کا اپنے غلام کے نسب کے اقرار پر شہادت یعنی کسی آقا نے اپنے غلام کے نسب کا اقرار کرلیا پھر بعد میں غلام کے اپنے آقا کے خلاف دعوی کیے بغیر گواہان نے یہ شہادت دی کہ آقا اپنے غلام کے نسب کا دعوی کر چکا ہے تو یہ شہادت قبول ہوگی اور غلام آزاد ہو جائے گا۔ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی میں شہادت بالرضاع کا بھی اضافہ کردینا چاہیے۔

مُلاحَظة : بلا دعویٰ شہادت کا قبول ہونا اس وقت ہے جب وقف غیر معین پر ہو، جیسے فقراء، مساجد، مدارس وغیرہ اور اگر وقف کسی معین شخص کے لیے ہے، تو پھر قبول شہادت کے لیے دعوی شرط ہے۔

واقف کا بیان بھی ضروری ہے

ويُشتَرطُ بيانُ الواقفِ في الصّحيحِ

تَرجَمَة :اور وقف کے دعوے میں واقف کا تذکرہ (کہ فلاں نے یہ وقف کیا ہے) بھی صحیح قول کے مطابق شرط ہے۔

شَرْح :ایک شخص نے کسی چیز کے متعلق یہ دعویٰ کیا کہ یہ وقف ہے تو اس کے دعوی کی سماعت کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ واقف کو بھی بیان کرے کہ فلاں شخص نے اسے وقف کیا ہے، اگر چہ یہ چیز بہت پہلے وقف کی گئی ہو اور ایک لمبا زمانہ گذر گیا ہو اس سلسلے میں صحیح قول یہی ہے تا کہ مجہول شخص کے واسطے کسی چیز کا اثبات نہ لازم آئے؛ لیکن یہ قول حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق ہے کہ آپ کے نزدیک اصل شیءِ واقف کی ملک میں رہتی ہے اور فتاوی عمادیہ میں ہے کہ وقف کا دعویٰ

واقف کی وضاحت کے بغیر بھی منقول ہے اور یہی قول امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا ہے اور چوں کہ وقف کے مسائل میں اکثر فتویٰ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر ہے، لہٰذا یہاں بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فتویٰ ان ہی کے قول پر ہو۔ (۱)

فائدہ: ''فتاویٰ خیریہ'' میں ہے کہ ایک قدیم مشہور وقف ہے، جس کے واقف کا علم نہیں، ظالموں نے اس پر ناجائز قبضہ کرلیا متولی نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ تو فلاں مسجد یا مدرسے پر وقف ہے اور یہ بالکل مشہور ہے، سب لوگ جانتے ہیں تو اس سلسلے میں قول مختار یہ ہے کہ واقف کی وضاحت کے بغیر متولی کا یہ دعویٰ درست ہے۔ (المصدر السابق)

وقف کے سلسلے میں گواہی پر گواہی بھی مقبول ہے

وتُقبلُ الشهادةُ عَلى الشّهادةِ، وشهادةُ النساءِ مع الرّجالِ، والشهادةُ بالشُهرةِ؛ لإثباتِ أصلِه وإن صَرَّحُوا بِه.

تَرجَمَة: اور اصل وقف کو ثابت کرنے کے لیے گواہی پر گواہی اسی طرح مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی اور شہرت کی گواہی سب مقبول ہے اگر چہ گواہ سماعت کی تصریح کر دیں۔

شَرح: اصل وقف کے اثبات کے لیے شہادت علی الشہادۃ بھی مقبول ہے بایں طور کہ دو آدمیوں نے کسی چیز کے متعلق قاضی کے پاس شہادت دی کہ یہ وقف ہے دوسرے دو حضرات نے دوسرے قاضی کے پاس ان کی شہادت پر شہادت دی کہ انھوں نے فلاں قاضی کے پاس فلاں چیز کے وقف ہونے کی شہادت دی ہے ہم نے سنا ہے جب یہ حضرات گواہی دے رہے تھے اس وقت ہم لوگ قاضی کے پاس موجود تھے تو یہ شہادت مقبول ہے، اسی طرح اصل وقف کو ثابت کرنے کے لئے مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی گواہی دیں تو ان عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی، اور اس کی بنیاد پر وقف کے ثبوت کا فیصلہ کیا جائے گا، اسی طرح اصل وقف کے ثبوت کے سلسلے میں شہادت

(۱) شامی: ۶/۴۸۴، ط: دار الکتاب

بالشہرت بھی مقبول ہوگی اگر چہ گواہ سماعت کی تصریح کر دیں، اس طور پر کہ وہ قاضی کے پاس یہ کہیں کہ ہم وقف کے ثبوت کی گواہی سن سنا کر دے رہے ہیں، یعنی ہم کافی دنوں سے لوگوں کی زبانی یہ سنتے چلے آرہے ہیں کہ یہ چیز وقف ہے اور اسی سماع کی بنیاد پر اس وقت ہم اصل وقف کے ثبوت کی گواہی دے رہے ہیں تو ایسی گواہی بھی مقبول ہے اگر چہ وقف معین لوگوں پر ہو اس لیے کہ قدیم اوقاف کی ہلاکت اور ضیاع سے حفاظت اسی صورت میں ہے۔

فائدہ: متن میں لفظ ہے: ''وإن صرحوا به'' شارحِ تنویر: علامہ حصکفی رحمہ اللہ نے ''بہ'' کا مرجع ذکر کیا ہے: ''سماع''، یعنی گواہ سماعت کی صراحت کر دیں کہ وہ سن کر شہادت دے رہے ہیں معاینے سے نہیں، علامہ حصکفی رحمہ اللہ نے شہادت بالشہرت کی تشریح شہادت بالسماع سے کی ہے کہ شہادت بالشہرۃ سے مراد شہادت بالسماع ہی ہے اور یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں، الگ الگ دو چیزیں نہیں ہیں۔ اس کے برخلاف ''حاشیہ نوح آفندی'' میں ہے کہ شہادت بالشہرۃ اور شہادت بالتسامع دو الگ الگ چیزیں ہیں، شہادت بالتسامع تو یہی ہے کہ گواہ یہ کہے کہ میں سن کر گواہی دے رہا ہوں، اور شہادت بالشہرۃ یہ ہے کہ متولی مثال کے طور پر کسی زمین کے متعلق یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ وقف ہے اور بالکل مشہور ہے، ہر آدمی جانتا ہے، اس کے دعویٰ کے ساتھ ساتھ گواہ حضرات اس بات کی شہادت بھی پیش کر دیں کہ ہاں صورتِ واقعہ متولی کے دعوے کے مطابق ہے، تو اسے شہادت بالشہرۃ کہتے ہیں، آگے علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں ایک ہی ہوں یا الگ الگ، بہر حال مآل دونوں کا ایک ہی ہے، اگر چہ مادّے مختلف ہیں، اور شہادت بالسماع کے سلسلے میں مختار قول یہی ہے کہ وہ مقبول ہے[1]۔

اگر چہ علماء کے درمیان اس سلسلے میں اختلاف ہے اور متون معتبرہ میں یہی ہے کہ شہادت بالسماع کا اعتبار نہیں اور بڑے بڑے فقہاء کی رائے بھی یہی ہے، لیکن علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ چوں کہ وقف کے سلسلے میں جب علماء کا اختلاف سامنے آئے تو اس قول کو اختیار کیا جائے گا جو انفع للوقف ہو، لہٰذا یہاں بھی اسی ضابطے کے مطابق شہادت بالسماع کے قبول ہونے کا فتویٰ دیا جائے گا

---

(۱) شامی: ۶/ ۴۸۵، ط: دارالکتاب

کہ اس صورت میں اوقاف قدیمہ کی حفاظت ہے جو کہ ایک طرح سے وقف کا نفع ہے۔

شرائطِ وقف کے اثبات کے لیے گواہی پر گواہی مقبول نہیں

لَا لِشَرائِطِه في الأَصحِّ.

تَرْجَمَة :(شہرت کی گواہی) مقبول نہیں شرائط وصیت کے اثبات کے واسطے صحیح قول کے مطابق۔

شَرْح :ماقبل میں یہ بات آئی کہ اصل وقف کے اثبات کے لیے شہادت بالتسامع وشہادت بالشہرۃ مختار قول کے مطابق معتبر ہے، اب یہاں سے مصنف رحمہ اللہ یہ مسئلہ ذکر کررہے ہیں کہ شرائط وقف کے اثبات کے لیے شہادت بالشہرۃ مقبول نہیں، مثلاً: واقف نے وقف کے مصرف کی جہت بیان کرنے کے لیے بعد کوئی شرط لگائی مثلاً: یہ کہ اس کی آمدنی میں سے کچھ فلاں کو بھی دے دیا جائے یا یہ شرط لگائی کہ ایک سال سے زائد مدت تک کے لیے کرایے پر شیءِ موقوف نہ دی جائے یا اس کے علاوہ کوئی اور شرط لگائی تو ان شرطوں کا ثبوت شہادت بالتسامع اور شہادت بالشہرۃ کے ذریعے نہیں ہوسکتا، وجہ اس کی یہ ہے کہ اصل وقف کے سلسلے میں اس طرح کی شہادت کا اعتبار اس لیے ہے کہ وقف زمانہ درزمانہ باقی رہتا ہے برخلاف شرط کے کہ وہ ہمیشہ باقی نہیں رہتی اور یہی مفتیٰ بہ قول ہے۔

وقف کے مصرف کا حکم وہی ہے جو اصل وقف کا ہے

وَبيَانُ المَصْرَفِ من أَصْلِه.

تَرْجَمَة :اور وقف کے مصرف کا بیان کرنا اصل وقف میں سے ہے۔

شَرْح :جس طرح اصل وقف کے اثبات کے لیے شہادت بالتسامع معتبر ہے اسی طرح مصرف وقف میں بھی شہادت بالتسامع معتبر ہے، مثلاً: اگر گواہان ایک دوسرے سے سن سنا کر گواہی دیں کہ یہ زمین فلاں مسجد پر وقف ہے یا فلاں مدرسے پر وقف ہے تو اس طرح کی گواہی معتبر ہے اور

یہ اصل وقف کے حکم میں ہے اس لیے کہ وقف کی صحت کے لئے مصرف کی جہت کی وضاحت ضروری ہے، اور یہ امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک صحت وقف کے لیے جب کہ وہ غیر معین جیسے مسجد، مدرسہ اور مساکین وغیرہ پر وقف ہو مصرف کی جہت کا بیان ضروری نہیں، لہٰذا اس میں شہادت بالتسامع مقبول نہیں، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہ گواہی اس وقت معتبر ہوگی جب مصرف کی جہت مسجد، قبرستان وغیرہ ہو اور اگر جہت فقراء ہوں تو شہادت بالتسامع کے ذریعے اس کو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ یہ جہت تو محض اصل وقف کے اثبات سے ثابت ہو جائے گی، اس لیے کہ جب شہادت بالتسامع کے ذریعے اصل وقف ثابت ہو گیا تو اب اس وقف کی آمدنی کو فقراء پر ہی صرف کیا جائے گا ان کی جہت کے ذکر کے بغیر اور جب ان ہی پر صرف ہوگا تو مزید اسی کو ثابت کرنے کے لیے شہادت بالتسامع کا سہارا لینے کی ضرورت ہی نہیں۔

بعض مستحق کل کی طرف سے خصم بن سکتے ہیں؟

وبعضُ مُستَحِقّيْه يَنتصِبُ خصمًا عنِ الكُلّ ،وقيْل لا، وهٰذا إذا كان الأصلُ ثابتاً، وإلّا فَلا.

ترجمة: اور وقف کے بعض مستحق کل کی طرف سے خصم بن سکتے ہیں اور ایک دوسرا قول یہ ہے کہ نہیں بن سکتے اور یہ (بعض مستحقین کا کل کی طرف سے خصم بننا) اس وقت ہے جب اصل وقف ثابت ہو ورنہ نہیں۔

شرح: ایک چیز دو بھائیوں پر وقف تھی ان میں سے ایک کا انتقال ہو گیا شیءِ موقوف جو بھائی زندہ ہے اس کے اور مرنے والے بھائی کی اولاد کے قبضے میں باقی ہے، پھر جو بھائی زندہ ہے اس نے اپنے بھائی کی اولاد میں سے ایک پر بینہ قائم کر دیا کہ وقف نسل در نسل پیڑھی در پیڑھی ہے، یعنی جس وقف میں تم لوگ اپنے والد کے انتقال کے بعد مستحق بن رہے ہو، اس میں ابھی تم لوگوں کا کوئی حق نہیں جب تک میں زندہ ہوں، اس لیے کہ وقف نسل در نسل ہے اور تمہارے والد کے انتقال کے بعد نسل مکمل

ختم نہیں ہوئی، بلکہ جب میرا انتقال ہو جائے گا تب ایک نسل مکمل ختم ہوگی اور پھر دوسری نسل (تم لوگ، اور میرے بچے) اس کے مستحق ہوں گے اور اس کے اس دعوے اور اس پر بینہ قائم کرنے کے وقت بھائی کی باقی اولاد موجود نہیں ہے اور واقف بھی ایک ہے، وقف بھی ایک ہے، تو ایسی صورت میں جو بھائی زندہ ہے جس نے بینہ قائم کیا ہے اس کا بینہ مقبول ہوگا اور وقف کی پوری آمدنی اسی کو ملے گی بھائی کی اولاد کو ابھی نہیں ملے گی، جب دوسرے بھائی کی بھی وفات ہو جائے گی تب وقف کی آمدنی دونوں کی اولاد پر صرف ہوگی اور وہ حضرات اس کے مستحق ہوں گے اور زندہ شخص کے قاضی کے پاس بینہ پیش کرنے کے وقت اس کے بھائی کی اولاد میں سے ہر ایک کا قاضی کی عدالت میں حاضر ہونا ضروری نہیں، جو موجود ہے جس کے خلاف اس نے بینہ قائم کیا ہے وہ اپنے دیگر بھائیوں کی طرف سے بھی خصم ہو جائے گا اور قاضی کا فیصلہ حاضر غائب ہر ایک کے حق میں معتبر ہوگا اور وقف سے فی الحال دوسرے بھائی کے مرنے تک ہر ایک کا حق ختم ہو جائے گا۔ (۱)

اس سلسلے میں ایک ضعیف قول یہ ہے کہ جو موجود ہے وہ غائب کی طرف سے خصم نہیں بن سکتا اور جب خصم نہیں بن سکتا تو قاضی کا فیصلہ صرف موجود کے خلاف معتبر ہوگا اور وقف کی آمدنی اس سے روک لی جائے گی اور بقیہ جو غائب ہیں ان کے آنے کا انتظار کیا جائے گا ان کے آنے پر قاضی ان کے خلاف فیصلہ کر لے گا۔

اور بعض مستحق کا کل کی طرف سے خصم بننا اس وقت درست ہے جب اصل وقف ثابت ہو، جیسے یہاں کہ چچا بھتیجوں کے لیے اصل وقف کا انکار نہیں کر رہا ہے؛ بل کہ ان کے لیے اصل وقف کا ثبوت مانتے ہوئے یہ کہہ رہا ہے کہ فی الحال تم لوگوں کا حق اس سے متعلق نہیں میرے مرنے کے بعد متعلق ہوگا اس کے برخلاف اگر اصل وقف کا ہی ثبوت نہ ہو؛ تو پھر اصل وقف کو ثابت کرنے کے وقت بعض مستحق کل کی طرف خصم نہیں بن سکتے، جیسے: اسی مثال میں چچا اگر یہ کہے کہ یہ وقف نسل در نسل نہیں تھا، بل کہ صرف ہم دونوں بھائیوں پر وقف تھا، تم لوگوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں، تمہارے لیے یہ وقف ہے ہی

(۱) الفتاوی الہندیۃ: ۲/ ۳۹۵-۳۹۴، ط: اتحاد۔ الشامی: ۶/ ۴۹۰، دار الکتاب بتغيير يسير.

نہیں اور جو موجود ہے (بھتیجے میں سے) وہ کہتا ہے کہ نہیں یہ ہمارے تمام بھائیوں پر بھی وقف ہے اور اس دعوی پر بینہ بھی قائم کردے تو بھی جو موجود ہے صرف اسی کے دعوے کی سماعت ہوگی جو غائب ہیں، ان کی طرف سے یہ موجود شخص خصم نہیں بن سکتا۔

اگر متولی وقف کی آمدنی سے کوئی گھر خرید لے تو کیا حکم ہے؟

اشْتَرىٰ المُتولّي بِمَال الوَقْفِ دارًا لاتَلحَقُ بالمنازلِ المَوقوفةِ ، و يجوز بَيعُها في الأصَحِّ.

تَرْجَمَة : متولی نے وقف کی آمدنی سے ایک گھر خریدا تو یہ گھر (سابق) وقف شدہ مکانات کے حکم میں نہیں ہوگا اور صحیح قول کے مطابق اس گھر کا بیچنا درست ہے۔

شَرْح : چند مکانات پہلے سے وقف ہیں، ان کے متولی نے ان مکانات کی آمدنی اکٹھی کر کے وقف کے لیے ایک دوسرا گھر خرید لیا تو یہ دوسرا گھر پہلے سے وقف شدہ مکانات کے ساتھ مل کر وقف نہیں ہو جائے گا اور ان کی شرائط اس خریدے ہوئے گھر میں ملحوظ نہیں ہوں گی، دوسرے گھر کے وقف نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لزوم وقف کی بہت سی شرطیں اور تفصیلات ہیں اور وہ یہاں موجود نہیں، اسی لیے صحیح قول کے مطابق اس کی بیع بھی درست ہے۔

اور فتح القدیر میں ہے کہ متولی کے لیے دوسرا گھر خریدنا اس وقت درست ہے جب پہلے کے مکانات کو مرمت وغیرہ کی ضرورت نہ ہو ورنہ تو اس کی مرمت پر آمدنی صرف کی جائے گی اور متولی کے لئے اس آمدنی سے دوسرا گھر خریدنا کسی طرح بھی درست نہ ہوگا۔

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ استحساناً فرماتے ہیں کہ اگر متولی نے دوسرا گھر وقف کے لیے خرید لیا ہے تو وہ وقف ہو جائے گا اور اس کو بیچنا صحیح نہ ہوگا، لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ ''فتاویٰ تاتارخانیہ'' کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ پسندیدہ قول یہ ہے کہ اگر اس دوسرے مکان کو بیچنے کی ضرورت ہو تو اس کا بیچنا جائز ہے۔

فائدہ: مصنف رحمہ اللہ نے ''**اشتری بمال الوقف**'' فرمایا ہے، اس پر علامہ شامی رحمہ اللہ

استدراک کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر صاحبِ ’تنویر‘’’بمال الوقف‘‘ کی جگہ’’بغلة الوقف ‘‘ کہتے ،تو زیادہ بہتر ہوتا اور اس صورت سے احتراز ہوجاتا، جب وقف کے بدل سے دوسری چیز خریدی جائے ، اس لیے کہ اس صورت میں پہلی کے بدلے میں جو چیز خریدی جائے گی وہ پہلی شیء کی طرح اس کی تمام شرطوں کے ساتھ خود بخود وقف ہوجائے گی ،اگر چہ دوسری میں کسی شرط وغیرہ کا کوئی تذکرہ نہ ہو۔(۱)

امام اور مؤذن کا انتقال ہوگیا اور انھوں نے وقف سے اپنا وظیفہ وصول نہیں کیا

مَاتَ الـمُـؤذّنُ، والإمـامُ ،ولم يَسْتَوفِيا وظيفتَهما مِن الوقفِ سَقَطَ كالَقاضِي ، وقيل: لا.

تَرجَمَة :امام اور مؤذن دونوں کا وقف سے اپنا اپنا وظیفہ لینے سے پہلے انتقال ہوگیا تو وظیفہ ساقط ہوجائے گا، جیسے: قاضی (کا وظیفہ ساقط ہوجاتا ہے) اور ایک قول یہ ہے کہ ساقط نہیں ہوگا۔

شَرْح : مسئلہ یہ ہے کہ کسی مسجد کے امام یا مؤذن نے گذشتہ چند مہینے سے اپنی تن خواہ نہیں لی تھی ،تن خواہ لینے سے پہلے ہی ان کا انتقال ہوگیا تو آیا گذشتہ مہینوں کی تن خواہ ان کو ملے گی (ان کے ورثہ کو) یا نہیں؟ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں ملے گی؛ بل کہ ساقط ہوجائے گی، اس لیے کہ ان دونوں کی تن خواہ کی حیثیت وقف سے صلہ اور بخشش کی ہے،اور صلہ پر جب تک قبضہ نہیں ہوتا مملوک نہیں ہوتا اور جب مملوک نہیں ہوا تو ان کے ورثہ کو کیسے ملے گا۔اور یہ مسئلہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی قاضی وقف سے اپنا ماہانہ وصول کئے بغیر مرجائے تو اس کا حق وقف سے ساقط ہوجاتا ہے اس کے ورثہ کو نہیں ملتا،لیکن اس سلسلے میں ایک ضعیف قول یہ ہے کہ امام اور مؤذن کی تن خواہ ساقط نہیں ہوگی ؛ بل کہ جتنے مہینے انھوں نے کام کیا ہے اتنے مہینے کی تن خواہ ان کے ورثہ کو ملے گی ،اور اس قول کی دلیل یہ

---

(۱) شامی:٦/۴۹۰،ط:دارالکتاب

ہے کہ امام اور مؤذن کے عمل کی حیثیت اجارے کی ہے اور اجیر جب اجرت لینے سے پہلے مر جائے تو وہ اس کے ورثہ کو ملتی ہے اسی طرح یہاں بھی ان دونوں کے ورثہ کو ان مہینوں کی تن خواہ ملے گی۔

صاحبِ درِمختار: علامہ حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوسرے قول کو مصنف رحمہ اللہ نے ''قیل'' کے ذریعے بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا قول (وظیفہ کے ساقط ہونے کا) راجح ہے، لیکن پھر فرماتے ہیں کہ ''قنیہ'' کی تلخیص ''بغیہ'' میں جزم کے ساتھ مذکور ہے کہ امام اور مؤذن کے ورثہ اس کے حق دار ہوں گے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ نے دونوں قولوں کے درمیان شان دار تطبیق دیتے ہوئے قول ثانی کو راجح قرار دیا ہے، فرماتے ہیں کہ امام اور مؤذن کا وظیفہ، صلہ اور اجرت دونوں کے مشابہ ہے اور یہ بات واضح ہے کہ متقدمین نے اجرت علی الطاعات کے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے اور متأخرین نے تعلیم، اذان، امامت پر اجرت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے تو ظاہر یہ ہے کہ جنھوں نے متقدمین کے مذہب کی طرف نظر کی انھوں نے ان دونوں کے وظیفے کو صلہ کے مشابہ ہونے کو راجح قرار دیا اور جنھوں نے متأخرین کے مذہب کی طرف نگاہ کی انھوں نے اجرت کے مشابہ ہونے کو راجح قرار دیا اور چوں کہ امامت اور اذان کی اجرت کے سلسلے میں متأخرین کے قول پر فتوی ہے اس لیے ''بغیہ'' میں قولِ ثانی کو جزم کے ساتھ بیان کیا، برخلاف قاضی کے وظیفے کے کہ وہ کسی بھی طرح اجرت کے مشابہ نہیں بلکہ وہ محض عطاء اور بخشش ہے اور متقدمین ومتأخرین میں سے کسی نے بھی قضاء پر اجرت کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا ہے۔[1]

متولی مقرر کرنے کا حق کسے ہے؟

وِلايةُ نَصْبِ القيّمِ إلى الواقفِ، ثُمّ لِوَصِيّه، ثُمّ للقَاضِي.

تَرجَمَة: متولی مقرر کرنے کا حق واقف کو پھر اس کے وصی کو، پھر قاضی کو ہے۔

---

(۱) شامی: ۶/ ۴۹۱، ط: دار الکتاب

شَــرْح :ایک شخص نے کوئی زمین یا مکان وقف کیا تو اس زمین یا مکان کے لیے متولی مقرر کرنے کا حق خود واقف کو ہی ہے، ''البحر الرائق'' میں ہے کہ واقف جب تک زندہ رہے گا ولایت اسی کو حاصل رہے گی اگر چہ اس نے اس کی شرط نہ لگائی ہو، اور جب اسے متولی مقرر کرنے کا حق ہے تو متولی کو معزول کرنے کا بھی حق ہوگا، پھر واقف کے انتقال کے بعد اس کے وصی کو متولی مقرر کرنے کا حق ہے وصی کے واقف کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے چناں چہ واقف نے اپنی وفات کے وقت کوئی وصی مقرر کیا اور وقف کے معاملے میں کچھ بھی ذکر نہیں کیا تو بھی متولی مقرر کرنے کی ولایت وصی کو حاصل ہوگی اور اگر واقف نے صرف وقف کے معاملے میں وصی مقرر کیا تو یہ تمام امور میں اس کا وصی ہوگا، مثلاً: اگر اس کے بچے چھوٹے ہیں تو اس کے ترکہ وغیرہ اور دیگر باقی تمام امور میں لیکن اس میں ابو یوسف ؒ کا اختلاف ہے، آپ ؒ فرماتے ہیں کہ جس چیز میں وصی بنایا گیا ہے اس کا حق وہیں تک محدود رہے گا اور اگر واقف نے ایک شخص کو متولی اور دوسرے کو وصی مقرر کیا تو جب تک دونوں کے بارے میں پوری وضاحت نہ کردے مثلاً: یہ کہ میں نے اپنی فلاں زمین فلاں پر وقف کیا اور اس کا متولی فلاں کو مقرر کیا اور میں نے فلاں کو اپنا وصی مقرر کیا اپنے ترکہ اور دیگر تمام امور میں، اس طرح کی جب تک وضاحت نہ کردے متولی اور وصی دونوں مشترکہ طور پر متولی رہیں گے اور جب واقف دونوں کا کام الگ الگ وضاحت سے بیان کردے تو اب ایسی صورت میں دونوں علاحدہ علاحدہ اپنی طرف سپرد کی جانے والی ذمے داری نبھائیں گے؛ اس لیے کہ واقف کا مجلس میں دونوں کے کام کو الگ الگ بیان کرنا یہ اس بات کا متقاضی ہے کہ واقف دونوں کے درمیان شرکت نہیں چاہتا۔

پھر جب وصی کا بھی انتقال ہوگیا اور اس نے کسی کے لیے ولایت کی وصیت نہیں کی تو اب متولی مقرر کرنے کا حق قاضی کو ہوگا وقف کے مستحقین کو نہیں ہوگا، کیوں کہ انہیں متولی مقرر کرنے کا حق تولیت کے بعد ہوتا ہے اس سے پہلے نہیں اور قاضی کو وصی کے انتقال کے بعد متولی مقرر کرنے کا حق اس وقت ہوگا جب وصی کا انتقال واقف کے بعد ہورہا ہو، لیکن کبھی اگر اتفاق سے ایسا ہوا کہ واقف نے

جس کو اپنی وفات کے بعد وصی مقرر کیا تھا، اور اسے متولی مقرر کرنے کا حق دیا تھا اس کا انتقال واقف کے انتقال سے پہلے ہی ہو گیا تو اب ایسی صورت میں متولی مقرر کرنے کا حق قاضی کو نہیں بلکہ واقف کو ہی ہوگا، کیوں کہ ابھی وہ زندہ ہے اور اس کے زندہ رہتے ہوئے کسی دوسرے کو متولی مقرر کرنے کا حق نہیں، جیسا کہ ابھی اوپر "البحر الرائق" کے حوالے سے گذرا۔

واقف کے اعزہ واقارب ہی متولی رہیں گے

وَمَا دَامَ أَحَدٌ يَصلُحُ لِلتَّولِيَةِ مِن أَقَارِبِ الوَاقِفِ ،لايُجعلُ المُتوَلّي مِن الأَجانِبِ.

تَرجَمَة : اور جب تک واقف کے رشتے داروں میں سے کوئی متولی بننے کی صلاحیت رکھے (اس وقت تک) اجنبیوں میں سے متولی نہیں بنایا جائے گا۔

شَرح : ماقبل میں یہ بات آ چکی ہے کہ حق ولایت سب سے پہلے واقف کو پھر اس کے وصی کو پھر قاضی کو ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ واقف کے انتقال کے بعد جب وصی یا وصی کے انتقال کے بعد قاضی متولی مقرر کریں گے تو کسے مقرر کریں گے، آیا اس میں کوئی قید ہے یا علی الاطلاق جسے چاہیں متولی بنا سکتے ہیں۔ صاحب تنویر فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں یہ ترتیب ہے کہ جب تک واقف کے اعزاء واقارب میں ایسے لوگ موجود ہیں جو متولی بننے کی صلاحیت رکھتے ہوں تو اس وقت تک ان کے علاوہ کسی اور کو اجنبیوں میں سے متولی نہیں بنایا جائے گا، ہاں اگر واقف کے رشتہ داروں میں کسی کے اندر اس ذمے داری کو نبھانے کی صلاحیت نہ ہو تو اب ایسی صورت میں اجنبیوں میں سے جس کے اندر اس کی صلاحیت ہو اسے بنا دیا جائے، اور پھر بعد میں اگر واقف کے رشتہ داروں میں اس کے اہل پیدا ہو جائیں تو پھر اس کو متولی بنا دیا جائے گا اس لیے کہ وقف کے سلسلے میں واقف کا خانوادہ ہی زیادہ خیر خواہ ثابت ہوگا اور مزید یہ کہ واقف کے ارادے میں یہ بات بھی ہوتی ہے کہ وقف اسی کے خاندان کی طرف منسوب رہے، اور اس سلسلے میں یہ بات پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ واقف کے خاندان والوں کا

اہل ہونا شرط ہے جیسا کہ ابھی گذرا، لہٰذا اگر وہ خائن ہوں گے تو اسے معزول کر کے دوسرے اجنبی شخص کو متولی بنایا جائے گا اور یہ بات واقف کے رشتے داروں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ اگر خود واقف بھی خائن ہوگا تو اسے بھی تولیت سے معزول کر دیا جائے گا اسی سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر خائن کوئی دوسرا ہے تو اسے بدرجۂ اولی معزول کر دیا جائے گا اور اگر واقف صراحت کے ساتھ یہ شرط لگادے کہ میرے بعد میری اولاد پھران کی اولاد متولی ہوگی اس کے بعد بھی قاضی کسی اجنبی کو متولی بنادے واقف کی اولاد سے کسی خیانت کے ظہور کے بغیر تو قاضی کو ایسا کرنے کا حق نہیں اور اگر قاضی نے اس طرح کر دیا تو اجنبی شخص متولی نہیں ہوگا۔

متولی اپنی صحت کی حالت میں غیر کو اپنا قائم مقام بنا سکتا ہے؟

أَرادَ المتولي إقامةَ غيرِه مقامَه في حياتِه، إنْ كان التّفْويضُ له عامًا صَحَّ، وإلّا لا.

تَرجَمَة: متولی نے حالت صحت میں کسی دوسرے کو اپنا قائم مقام بنانا چاہا تو اگر متولی کو تفویض (تولیت کی سپردگی) عام ہے تب تو درست ہے ورنہ نہیں۔

شَرْح: شيءِ موقوف کا ایک متولی ہے وہ اپنی صحت کی حالت میں اپنی جگہ کسی دوسرے کو مستقل طور پر متولی بنانا چاہتا ہے، مصنفؒ فرماتے ہیں کہ واقف کی طرف سے جو اسے تولیت سپرد کی گئی ہے وہ اگر عام ہے جیسے واقف اس کو متولی بنادے اور اپنے قائم مقام کر دے اور اسے یہ حق دے دے کہ وہ حق تولیت دوسروں کو دے سکتا ہے اور اسی طرح جس کے لئے چاہے حق تولیت کی وصیت کر سکتا ہے تو پھر وہ ایسی صورت میں وہ حالت صحت اور مرض دونوں میں یکساں طور پر کسی دوسرے کو اپنا قائم مقام بنا سکتا ہے، لیکن وہ صرف دوسرے کو اپنی جگہ متولی بنا سکتا ہے، متولی بنانے کے بعد اگر اسے معزول کرنا چاہے تو اسے معزول کرنے کا حق نہیں، مگر ہاں جب واقف اسے متولی بنانے اور معزول کرنے دونوں کا حق دے دے تو پھر ایسی صورت میں وہ معزول کر سکتا ہے، اور اگر متولی کے

لیے تولیت کی تفویض عام نہ ہو اور وہ حالت صحت میں کسی دوسرے کو اپنی جگہ مستقل طور پر متولی بنانا چاہے تو اس کے لئے ایسا کرنا درست نہیں، اور اگر حالت مرض میں کسی کو اپنا قائم مقام بنانا چاہے تو پھر ایسی حالت میں تفویض عام کی ضرورت نہیں، وہ اس کے بغیر بھی دوسرے کو متولی بنا سکتا ہے اس لیے کہ مرض کی حالت ایسی حالت ہے جو خود تقاضہ کرتی ہے کہ کوئی اس کا قائم مقام ہو جانا چاہیے اور مناسب ہے کہ اسے متولی کو معزول کرنے اور اس کے علاوہ کو تولیت سپرد کرنے کا بھی حق ہو، جیسے باپ کے وصی کو دوسرے کو وصی مقرر کرنے اور اسے معزول کرنے دونوں طرح کا حق ہوتا ہے۔

فائدہ: صاحب تنویر نے متن میں ''أراد المتولي إقامة غيره مقامه في حياته'' کہا ہے، لیکن ''في حياته'' سے مراد ''في صحته'' ہے جیسا کہ صاحب ''درمختار'' نے ''في حياته'' کی ''في صحته'' سے تفسیر کی ہے اور تھوڑا آگے اس کا مقابل مرض بھی ذکر کیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حیاته سے مراد صحته ہے؛ اسی لیے ترجمہ ''صحته'' سے کیا گیا ہے۔

گھر بیچنے کے بعد دعویٰ کیا کہ یہ وقف ہے

بَاعَ دارًا، ثُمّ ادَّعىٰ أنّي كنتُ وقفتُها، أو قال: وَقْفٌ عليّ، لَمْ تَصِحَّ، وَلَوْ أَقامَ بيّنةً قُبِلتْ.

تَرجَمَة: ایک شخص نے گھر بیچا پھر دعویٰ کیا کہ میں نے تو اسے (بیچے ہوئے گھر کو) وقف کر دیا تھا یا یہ کہا کہ یہ گھر مجھ پر وقف تھا تو اس کا یہ دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا اور اگر اس نے اس (دعوے) پر بینہ قائم کر دیا تو مقبول ہوگا۔

شَرح: کسی شخص نے کوئی گھر بیچا پھر بیع کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ یہ گھر جسے میں نے فروخت کیا ہے میں اس کا مالک نہیں، میں نے تو اسے پہلے ہی وقف کر دیا تھا، یا یہ دعوی کرتا ہے کہ یہ گھر مجھ پر وقف ہے میں اس کے عین کا مالک نہیں کہ میں اسے بیچ سکوں اور میرا بیچنا درست ہو، یعنی وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ میں نے جو بیع کا معاملہ کیا وہ درست نہیں ہوا، لیکن مدعی کے پاس اپنے اس دعویٰ پر دلیل

کوئی نہیں، اور وہ چاہتا ہے کہ وہ مدعی علیہ سے قسم لے تو اسے یہ حق نہیں، اس لیے کہ تحلیف کے لیے دعوی صحیحہ کا پہلے ہونا شرط ہے اور تناقض کی وجہ سے یہاں دعویٰ ہی معدوم ہے، تناقض یہ ہے کہ جب اس نے پہلے بیع کا معاملہ کیا تو گویا اس نے مبیع میں اپنی ملک کا دعویٰ کیا اور بیع کے بعد جب اس کے وقف ہونے کا دعویٰ کرر ہا ہے؛ تو گویا وہ مبیع میں اپنی عدم ملک کا دعوی کرر ہا ہے، لہٰذا اس کے قول وعمل میں تناقض ہے پس اس کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا اور جب دعویٰ صحیح نہیں تو گویا وہ معدوم ہے اور جب دعویٰ معدوم ہے، تو اس کے بغیر قسم لینا کیسے درست ہوگا، ہاں اسی مسئلے میں مدعی اگر اپنے دعوے پر بینہ قائم کردے تو قول مختار یہ ہے کہ اس کے بینہ کی سماعت ہوگی اس لیے کہ تناقض کی وجہ سے اگرچہ دعویٰ باطل ہوگیا لیکن شہادت باقی ہے اور وقف میں شہادت بغیر دعویٰ کے مقبول ہے (جیسا کہ ماقبل میں مکمل تفصیل آچکی) اور جب شہادت مقبول ہوئی تو بیع باطل ہوجائے گی اور مشتری پر اجرت مثل لازم ہوگی، یعنی شیءِ موقوف جتنے دن مشتری کی ملک میں رہی اتنے دن کی اجرت مثل مشتری پر لازم ہوگی اس لیے کہ وقف کے منافع مضمون ہیں اگر کسی نے اسے تلف کیا تو ضمان دینا ہوگا اور یہ مسئلہ بھی ماقبل میں اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ گذر گیا، لیکن اس کے برخلاف اگر بیچی ہوئی چیز کا کوئی مستحق نکل آئے اور یہ کہے کہ بیچی ہوئی چیز میری مملوک ہے اور بینہ سے اسے ثابت کردے تو ایسی صورت میں مشتری پر اجرت مثل لازم نہ ہوگی صرف دو صورتوں میں مشتری پر اجرت مثل لازم ہوتی ہے ایک وقف کی زمین میں اور دوسرے یتیم کی زمین وغیرہ میں۔

اب جب کہ مدعی نے بینہ قائم کردیا اور مشتری کے خلاف فیصلہ ہوگیا اور بیع ختم کردی گئی تو مشتری اگر بائع سے اپنے ثمن کے حصول کی غرض سے شئ موقوف کو اپنے پاس محبوس رکھے تو اسے یہ حق نہیں اس لیے کہ حبس تو رہن کے درجے میں ہے اور وقف کی چیز بطور رہن نہیں رکھی جاتی۔

یہ مسئلہ (بیع کے بعد وقف کا دعویٰ کرنا) ان سات مسائل میں سے ایک ہے جو فقہاء کرامؒ کے اس قول سے مستثنیٰ ہے ''جو شخص اس کے توڑنے کی کوشش کرے جو اسی کی طرف سے پوری ہوئی ہے تو اس کی کوشش اس پر رد کردی جائے گی'' (اس کی بات نہیں سنی جائے گی اور اس کا دعوی قبول نہ ہوگا)

''منظومہ محبیۃ'' کے کتاب الدعوی میں ہے کہ شہادت کے بغیر دعوی کے مقبول ہونا اس وقف میں ہے جو حق اللہ ہے اور اگر وقف عباد پر ہو تو شہادت بغیر دعوی کے مقبول نہیں اور مسئلہ مجوث عنہا میں وقف عباد پر ہے کہ ایک شخص معین بیع کا معاملہ کرنے کے بعد خاص طور پر اپنے لیے وقف کا دعویٰ کررہا ہے صاحب درمختار علامہ حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ماقبل میں ہم یہ وضاحت کرچکے ہیں کہ شہادت بدون الدعوی مطلقاً مقبول ہے خواہ حق اللہ ہو یا حق العباد اس لیے کہ وقف انجام کار کے اعتبار سے فقراء کے لیے ہی ہے، اگرچہ ابتدا میں کسی خاص معین شخص پر وقف ہو تو اس صورت میں تمام اوقاف انجام کے اعتبار سے از قبیل حقوق اللہ ہو جائیں گے لہٰذا تمام اوقاف میں شہادت کا بغیر دعویٰ کے قبول ہونا بہتر معلوم ہوتا ہے۔

مُلاحَظة : وہ سات بل کہ نو مسائل جو فقہاء کے اس قول ''**مَن سَعٰى في نَقْضِ مَاتَمَّ من جِهَته فسَعُيُه مَرْدُوُدٌ عليه**'' سے مستثنیٰ ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) ایک شخص نے ایک غلام خریدا اس پر قبضہ کرلیا پھر یہ دعویٰ کیا کہ بائع نے اس غلام کو پہلے ہی فلاں غائب شخص کے ہاتھ بیچ دیا تھا اتنی قیمت کے عوض اور بینہ بھی قائم کردیا تو اس کا بینہ مقبول ہوگا۔

(۲) ایک شخص نے ایک باندی کسی کو ہبہ کی، موہوب لہ نے اسے ام ولد بنادیا پھر واہب یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے تو اسے مدبرہ بنادیا تھا یا ام ولد بنادیا تھا اور اپنے اس دعویٰ پر بینہ بھی قائم کردیا تو یہ بینہ مقبول ہوگا۔

(۳) ایک شخص نے ایک غلام بیچا پھر یہ دعویٰ کیا کہ میں نے اسے آزاد کردیا تھا اور اس پر بینہ قائم کردیا تو یہ بینہ مقبول ہوگا۔

(۴) ایک شخص نے ایک زمین خریدی پھر یہ دعویٰ کیا کہ بائع نے اسے مسجد یا قبرستان بنادیا تھا۔

(۵) ایک شخص نے ایک غلام خریدا پھر یہ دعوی کیا کہ بائع نے اسے آزاد کردیا تھا اور اس پر بینہ قائم کردیا تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بینہ مقبول ہوگا، طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک قبول نہیں ہوگا۔

(۶) مسئلۂ وقف جس کی پوری تفصیل ابھی اوپر کی سطروں میں آئی۔

(۷) باب نے اپنے لڑکے کا مال بیچ دیا پھر غبن فاحش کا دعویٰ کیا۔
(۸) وصی نے نابالغ بچے کا مال بیچ دیا پھر غبن فاحش کا دعویٰ کیا۔
(۹) متولی وقف نے وقف کی چیز بیچی پھر اس نے غبن فاحش کا دعویٰ کیا اور سبھوں نے اپنے اپنے دعوے پر بینہ قائم کر دیا تو ایسی صورت میں ان کا بینہ مقبول ہوگا اور عقد ختم ہو جائے گا[1]۔

امام اور مؤذن مقرر کرنے کا حق کسے ہے؟

الْبَانِي أَوْلَى بِنَصْبِ الإمامِ ،والمؤذِنِ، في المُختارِ، إلا إذا عَيّنَ القومُ ،أصْلَحَ مِمّن عَيّنَه.

تَرجَمَة :مسجد کا بانی امام اور مؤذن کے مقرر کرنے میں سب سے مقدم ہے مختار قول کے مطابق، مگر جب کہ قوم نے بانی کے مقرر کردہ امام اور مؤذن سے زیادہ اچھا امام اور مؤذن مقرر کیا (تو یہ بہتر ہے۔)

شَرْح : ایک شخص نے ایک مسجد بنوائی اس میں امام اور مؤذن مقرر کرنے کا مسئلہ ہے تو فرماتے ہیں کہ بانی مسجد قوم سے زیادہ حق دار ہے اور وہ امام اور مؤذن مقرر کرنے کے سلسلے میں تمام لوگوں پر مقدم ہے اور دیگر لوگوں کو بانی کی موجودگی میں امام مؤذن مقرر کرنے کا کوئی حق نہیں، اسی طرح بانی کی اولاد اور اس کے خاندان کے لوگ بھی دوسرے لوگوں پر مقدم ہیں، مگر ایک صورت میں گنجائش ہے کہ اگر قوم خود ہی مناسب صالح دین دار امام اور مؤذن مقرر کرلے جو بانی کے مقرر کردہ امام اور مؤذن سے مجموعی طور پر صلاح وتقوے علم وعمل کے اعتبار سے بہتر ہو تو ایسی صورت میں قوم کا یہ انتخاب درست ہوگا، وجہ اس کی یہ ہے کہ امام اور مؤذن کے اچھا ہونے کا نفع قوم کو ہی پہنچتا ہے۔

فائدہ: ماقبل کی وضاحت تو امام اور مؤذن مقرر کرنے کے سلسلے میں ہے، لیکن اگر مسجد کی مرمت وغیرہ کی ضرورت ہو تو پھر بانی بلا کسی تفصیل کے تمام لوگوں پر مقدم ہوگا، جیسے: کسی محلے میں کوئی مسجد

(۱) شامی:۶/۵۰۳، ط: دار الکتاب

ہے اسے مرمت کی ضرورت ہے اہل محلّہ کہتے ہیں کہ ہم اس کی مرمت کرائیں گے اور بانی کہتا ہے کہ میں کراؤں گا تو ایسی صورت میں بہرحال بانی مسجد کو ہی عمارت کی درستگی ومرمت کا حق ہوگا۔

موقوف علیہ کے وجود سے پہلے بھی وقف صحیح ہے

صَحَّ الوقفُ قبْلَ وُجودِ الموقوفِ عليهِ فِي الأصَحِّ

تَرجَمَة :موقوف علیہ کے موجود ہونے سے پہلے (اس پر) وقف کرنا صحیح قول کے مطابق درست ہے۔

شَرح : مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی زمین یا مکان ایسی چیز پر وقف کردی جو بوقت وقف موجود نہیں جیسے خالد نے زید کی اولاد پر اپنی دکان وقف کردی جب کہ زید ابھی لاولد ہے یا یہ کہ کسی نے کوئی چیز ایسے مکان پر وقف کردی جسے مسجد یا مدرسہ بنانے کے لیے روک رکھا ہے، لیکن ابھی اسے مسجد یا مدرسہ باضابطہ طور پر نہیں بنایا ہے بلکہ آئندہ بنائے گا تو اصح قول کے مطابق اس طرح وقف کرنا درست ہے اور زید کے لڑکا پیدا ہونے تک اسی طرح مذکورہ مکان کے مسجد یا مدرسہ بنائے جانے تک وقف کی آمدنی فقراء پر صرف ہوگی اور ایسے وقف کو منقطع الاول کہا جاتا ہے (عبارت کی تشریح مکمل ہوئی)

صاحبِ درِمختار ''**النهر الفائق**'' کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اگر واقف نے اس مدرسے پر وقف کیا جس میں مدرس درس دیتا ہے طلبہ کو پھر بعد میں وہ مدرس دوسرے مدرسے میں پڑھانے لگا، پہلے مدرسے میں درس کے متعذر رہونے کی وجہ سے مدرسے کے منہدم ہوجانے کی وجہ سے یا پھر آبادی سے دور واقع ہونے کی وجہ سے تو بھی مناسب ہے کہ وقف کی آمدنی مدرس کو دی جائے اگرچہ وہ دوسرے مدرسے میں درس دینے لگ گیا ہے دوسری جگہ درس دینے کی وجہ سے وقف کی آمدنی فقراء پر صرف نہ ہوگی۔

فائدہ: اگر کسی شخص نے کہا کہ میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہے میری پیدا ہونے والی اولاد پر فی

الحال اس کے کوئی اولاد نہیں تو یہ وقف صحیح ہو جائے گا، پھر جب اس کے اولاد ہونے سے پہلے پہلے کھیتی پک جائے تو اسے فقراء پر تقسیم کر دیا جائے گا اب تقسیم کے بعد جو اولاد پیدا ہوگی وہ آئندہ حاصل ہونے والی آمدنی کی مستحق ہوگی اور وہ آمدنی اس کے بچوں پر صرف ہوگی اس لیے کہ واقف کا صدقہ موقوفہ کہنا یہ فقراء پر وقف ہے اور پیدا ہونے والے بچے کا تذکرہ استثناء کے لیے ہے، گویا اس نے یہ کہا کہ میری یہ زمین فقراء پر وقف ہے، الا یہ کہ اگر مجھے کوئی اولاد ہو جائے تو اس پر یہ آمدنی وقف ہوگی۔

اسی طرح ایک مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے لڑکے پر کوئی چیز وقف کی جب کہ اس کو لڑکا نہیں ہے، صرف پوتا ہے تو یہ وقف بھی صحیح ہے اور واقف کو لڑکا پیدا ہونے تک وقف کی آمدنی پوتے پر ہی صرف ہوگی اور اس وقف کو منقطع الوسط کہا جاتا ہے، ایسے ہی ایک شخص نے اپنی کوئی چیز اپنے دو بیٹوں پر وقف کی پھر ان کے بعد ان کی اولاد پر ہمیشہ کے لیے جب تک نسل چلتی رہے تو ابن الفضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب واقف کے دو لڑکوں میں سے ایک کا انتقال ہو جائے اور وہ اپنے پیچھے اولاد چھوڑے تو ابھی مرنے والے کا حصہ اس کی اولاد کو نہیں ملے گا؛ بل کہ جو بھائی زندہ ہے اس کا نصف حصہ اس کو ملے گا اور مرنے والے بھائی کا نصف حصہ فقراء کو ملے گا، اب جب دوسرے بھائی کا بھی انتقال ہو جائے تو ساری آمدنی واقف کی اولاد کی اولاد کو ملے گی، اس لیے کہ واقف کی شرط کی رعایت ضروری ہے اور اس نے اپنی اولاد کے بعد اولاد کی اولاد پر وقف کیا ہے اور جب تک اس کے دونوں لڑکوں کا انتقال نہیں ہو جاتا اس وقت تک اس کی اولاد کا سلسلہ ختم نہ ہوگا پس ایک لڑکے کے انتقال کے بعد اگر ان کی اولاد کی طرف آمدنی منتقل کر دیں گے تو واقف کے منشأ کے خلاف عمل ہوگا جو کہ درست نہیں۔ (۱)

مُلاحظہ: متن میں جو مسئلہ بیان کیا گیا کہ موقوف علیہ کے وجود سے پہلے اس پر وقف صحیح ہے صاحبِ درمختار: علامہ حصکفی رحمہ اللہ نے اس کی ایک مثال یہ دی ہے کہ جیسے کسی نے ایسے مکان پر کوئی چیز وقف کر دی جسے مسجد یا مدرسہ بنانے کے لیے روک رکھا گیا ہے ابھی با قاعدہ اسے مسجد نہیں

(۱) شامی: ۶/۵۰۵، ط: دار الکتاب

بنایا گیا ہے تو یہ وقف صحیح ہے اور اس مکان کے مسجد بنائے جانے تک وقف کی آمدنی فقراء پر صرف ہوگی اور جب مذکورہ مکان کو مسجد بنادیا جائے گا تب آمدنی اس پر صرف ہوگی، علامہ شامی رحمہ اللہ صاحبِ درِمختار پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ موقوف علیہ کے معدوم ہونے کی یہ مثال درست نہیں کیوں کہ یہاں مکان موجود ہے، لہٰذا وقف موجود پر ہوا نہ کہ معدوم پر۔

لیکن درحقیقت حضرت علامہ شامی رحمہ اللہ کے اعتراض میں ہی نظر ہے اس لیے کہ وہ مکان اگرچہ موجود ہے لیکن اسے مسجد بنائے جانے سے پہلے پہلے اس پر وقف کرنا صحیح نہیں، اس مکان کے وقف کی آمدنی کا استحقاق نہ رکھنے کی وجہ سے آمدنی کا استحقاق اسی وقت ہوگا جب اسے باضابطہ مسجد بنادیا جائے اور ابھی اسے مسجد نہیں بنایا گیا ہے تو درحقیقت یہ معدوم پر ہی وقف ہوا نہ کہ موجود پر اس لیے کہ موقوف علیہ مسجد ہے اور ابھی اس کا وجود نہیں جب آئندہ اس مکان کو مسجد بنادیں گے تب موقوف علیہ (مسجد) کا وجود ہوگا۔ (۱)

سپردم بتو مایۂ خویش را تو دانی حسابِ کم و بیش را

فقط واللہ تعالی أعلم وعلمه أتم وأكمل

آج بروز جمعرات، ۲/ جمادی الاخری ۱۴۳۵ھ مطابق ۳/ اپریل ۲۰۱۴ء، بوقتِ دوپہر ۱۲/ بجے محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ''**تنوير الأبصار**'' کی ''**كتاب الوقف**'' کے ترجمے وتشریح کا کام پورا ہوا، اللہ تعالیٰ اسے قبول فرما کر خالص اپنی رضا کا سبب بنادے اور اس سے مجھے اور تمام قارئینِ کرام کو خوب نفع پہنچائے اور جو کچھ بھی کوتاہی ہوئی ہے، اللہ پاک اس سے درگذر فرمائیں۔ آمین!

---

(۱) تقریرات رافعی: ۷/۶ ط: دار الکتاب

MAKTABA HIJAZ

Near Qazi Masjid, Deoband
Distt: Saharanpur (U.P.) India
Mobile : 9997866990 / 9358914948